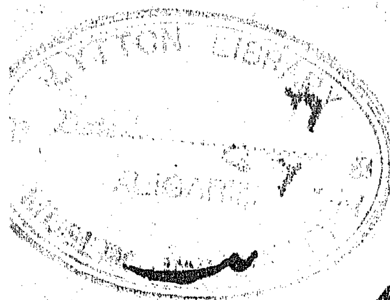
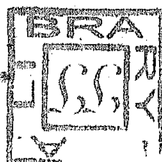


گنجینۂ جوہر

از

دوست قدوائی



ناشران

محراب ادب کراچی





عرضِ مدّعا

محرابِ ادب کو اس وقت تک جن کتابوں کی طباعت و اشاعت کا فخر حاصل ہوا ہے صحیح معنی میں خدمتِ ادب و ملّت کی ایک روشن مثال ہے۔ خدائے تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ ہر کتاب اپنی جامعیت اور گوناگوں خوبیوں کے اعتبار سے منظرِ عام پر آتے ہی وقیع نظر سے دیکھی اور ہاتھوں ہاتھ لی جاتی ہے۔

محرابِ ادب کا معیارِ ادب اربابِ ادب سے پوشیدہ نہیں۔ بلکہ معنوی اور عملی نقطۂ نظر سے روزِ روشن کی طرح ظاہر ہے کہ محرابِ ادب کی تمام نشریات میں نام اور نصب العین کو بالالتزام مقدم رکھا گیا ہے۔ یہاں تک کہ ناول اور افسانے بھی مخربِ اخلاق اور عامیانہ نہیں ہوتے، بلکہ ادب و اخلاق اصلاح و تعمیر کی سنگین بنیادوں پر قائم ہوتے ہیں۔

اکابرینِ ملّت اور مشاہیرِ ادبا کی تصانیف پر تو کچھ عرض کرنا محض تحصیلِ حاصل ہے۔ مثال کے طور پر "گنجینۂ جوہر" شہیدِ ملت مولانا محمد علی جوہر رحمۃ اللہ علیہ کا مجموعۂ کلام بلاغت نظام ہے مولانا کی ذات اور ان کے صفات پر حرفِ ستائش کی اہلِ قلم حضرات نے کوئی گنجائش نہیں چھوڑی۔ مولانا کی شخصیت بجائے خود

تعریف و توصیف سے مستغنی ہے۔ پھر اہلِ قلم حضرات کے جذبات عقیدت نے ادب و صحافت میں مولانا کی جو یادگاریں قائم کی ہیں ان کے پیشِ نظر مولانا کی ذات مجملۂ حیاتِ جاوید ہے۔

قطعۂ ذیل مولانا کے ہنگامِ وفات پر متعدد اخبارات و رسائل میں شائع ہوا تھا۔ مگر یہ کسے خبر تھی کہ بیس سال بعد پھر اس قطعۂ تاریخ کا ستارہ چمکے گا۔ اور "گنجینۂ جوہر" کے دامن میں اسے جگہ ملیگی شاید منعمِ حقیقی کی جانب سے یہ انعام خلوص و عقیدت ہے ؎

آں فدائے قوم چوں از خلق رفت　　رہین غم گشتہ زمین و آسماں

سال تاریخش حمایت بر نوشت　　از جہاں رفتہ نصیبِ دشمناں

۵　　۱۳　　۳۹

اس بیس سال کے مختصر زمانہ میں دنیا ایسے ایسے صبر آزما انقلابات سے دوچار ہوئی کہ جو قرون اولےٰ میں ہزار ہزار سال کے فصل سے رونما ہوتے تھے اور ہر انقلاب کے بعد دنیا اپنے ماضی کو محو کر کے از سرِ نو آغاز کرتی تھی۔ تقریباً اسی قسم کے انقلابات اس اثنا میں بھی ہو گزرے۔ مگر مولانا کا داغِ مفارقت آج بھی روزِ اوّل کی طرح تازہ ہے اور صدائے ماتم آج بھی فضاؤں میں گونج رہی ہے۔

منعمِ حقیقی کی بارگاہ میں دعا ہے کہ محرابِ ادب کو ادب و قوم کی وہ تمام خدمات انجام دینے کی توفیق عطا فرمائے جن میں اُس کی اُس کے حبیب کی اور قائدِ اعظم کی خوشنودی مضمر ہے۔ آمین حسبی اللہ ونعم الوکیل

خادمان
محرابِ ادب

پیش لفظ

محراب ادب کی فرمائش ہے کہ "گنجینۂ جوہر" میں، بطور پیش لفظ چند سطور سپرد قلم کروں۔ میرے لیے مولانا مرحوم سے تلمذ کا شرف ہی کچھ کم مایۂ ناز نہ تھا۔ اللہ کا شکر ہے کہ گنجینۂ جوہر میں قلمی شرکت کا بھی مجھے فخر حاصل ہوا۔ حقیقت یہ ہے کہ آج میری وہ آرزو بر آئی جو مدت سے میرے دل میں کروٹیں لے رہی تھی۔ اس باب میں محراب ادب کی یہ سعی مشکور قابل تحسین و ستائش ہے کہ ادارۂ موصوف نے وقت کی ضرورت کو محسوس کیا اور اسے بطرز احسن عملی جامہ پہنایا۔ فتبارک اللہ احسن الخالقین۔

قدوائی صاحب نے بھی دیباچہ نگاری اور ترتیب میں وہ جوہر دکھائے ہیں کہ اپنی جوہر شناسی ثابت کر دکھائی۔ ہر آئینہ قدوائی صاحب نے جو اشعار منتخب کیے ہیں اور ان کے مختلف زاویوں سے مولانا کی زندگی پر جو روشنی پڑتی ہے وہ اپنی جامعیت کے لحاظ سے حد درجہ قابل داد ہے۔

گنجینۂ جوہر میں میری قلمی شرکت متقاضی تھی کہ میں بھی مولانا کے چند اشعار بطور انتخاب نقل کرتا، مگر واقعہ یہ ہے کہ مولانا کے

مجموعۂ کلام میں انتخاب کی کوئی گنجائش ہی نہیں - مولانا کا کلام حشو و زوائد سے قطعی پاک ہے، کیونکہ مولانا نے بنظرِ قافیہ پیمائی میدانِ شعر میں قدم نہیں رکھا، بلکہ واقعات بندی کے لیئے ردیف و قافیہ کی آڑلی اور منضبط شکل میں ہمارے واسطے ایک لازوال سرمایہ فراہم کر دیا، جس سے ہم تا ابد مستفیض ہوتے رہیں گے۔ اس نظریہ کے ماتحت قدردانانِ جوہر کو میں دعوتِ نظر دیتا ہوں کہ "گنجینۂ جوہر" کو از اوّل تا آخر میرا انتخاب تصور فرما کر پورا پورا استفادہ کریں۔ یہی مولانا کی روح پر فتوح کے لیئے تحفۂ عقیدت ہے۔

میں بارگاہِ ایزدی میں بصمیم قلب دعا کرتا ہوں کہ جملہ خواص و عوام "گنجینۂ جوہر" سے فیضیاب ہوں اور محراب ادب کو اس کی اشاعت کا سلسلہ جاری رکھنے کا ہمیشہ فخر حاصل رہے۔ آمین۔

(قاضی) فضل اللہ
(وزیر حکومت سندھ پاکستان)

کراچی ۱۸ مارچ ۱۹۵۵ء

دیباچہ

ہم میں سے کون ایسا ہے جو شہیدِ ملّت مولانا محمد علی علیہ الرحمۃ سے واقف نہیں؟
وہ محمد علی جو گل سے گلشن، سنگ سے جوہر، ہلال سے بدرِ منیر ہونے کو تھا، وہ محمد علی
جس نے اس بیسویں صدی میں سائنس پرست اور مادّیت نواز دنیا کو اپنے
قول و عمل سے ایک بار پھر صحابۂ کرامؓ کی حقیقی اسلامی زندگی کی شان دکھا دی
وہ محمد علی جس کی انگریزی انشا پردازی پر اخبار کامریڈ کے صفحات گواہ ہیں۔
اور جس کی اردو کی قادر الکلامی ایک امرِ مسلّمہ کا درجہ رکھتی ہے۔ وہ محمد علی جو
فدائے محمدؐ اور شیدائے علیؓ تھا۔ ظاہراً و باطناً، قولاً و فعلاً، وہ محمد علی جسے قاسمِ ازل
نے برک کی خطابت، نپولین کی جرأت اور میکالے کی طرزِ تحریر ودیعت
فرمائی تھی، وہ محمد علی جسے ہدایتِ خداوندی فرنگ کی کفرزا و مادیت افزا
فضا سے اسلام کے ایمان افروز و روح پرور ماحول میں لائی بمصداق اس کے
"جسے اللہ ہدایت دے اسے کوئی گمراہ نہیں کر سکتا۔ وہ محمد علی جس نے قوم و
ملک کی آزادی کی خاطر طرح طرح کی تکلیفیں جھیلیں، ظلم و ستم سہے، یار و اغیار

کے طعنے سنتے، مگر اُف تک نہ کی اور آخر الامر اپنے اسی حصولِ مقصد میں جان جاں آفریں کو سپرد کی، دیس میں نہیں پردیس میں، دہلی میں نہیں لندن میں۔ دوست رو رہے تھے، دشمن ماتم کناں تھے، قدر داں اشکبار تھے، نکتہ چیں سوگوار تھے۔

اس بیسویں صدی میں برِ صغیر ہندوستان و پاکستان کی بساطِ سیاست پر علاوہ قائدِ اعظم محمد علی جناح مرحوم کے رئیس الاحرار مولانا محمد علی مرحوم کو بہ حیثیت "مردِ مومن" جو اہمیت حاصل ہوئی وہ ہرگز ہرگز فراموش و نظر انداز نہیں کی جا سکتی اور ان کی وفات حسرت آیات پر قوم کا یہ شعر پڑھنا حقیقتاً بے محل نہیں کہ

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا
(اقبال رحؒ)

"مردِ مومن" کی جو شان ہے، آن ہے، عظمت ہے، حرمت ہے۔ اس معیار پر بھی مولانا محمد علی المتخلص بہ جوہر علیہ الرحمۃ پورے اترتے ہیں اسکی صراحت و وضاحت بدرجۂ احسن و اکمل کرنی مناسب ہے۔ مومن راضی بہ رضائے الٰہی ہوتا ہے، چنانچہ حضرت جوہر فرماتے ہیں :-

ہر رنگ میں راضی برضا ہو تو مزا دیکھ   دنیا ہی میں بیٹھے ہوئے جنت کی فضا دیکھ

ہے سنّت اربابِ وفا صبر و توکّل
چھوٹے نہ کہیں ہاتھ سے دامانِ رضا دیکھ

ہم اس کے ہو لئے تو پھر اب اس سے کیا غرض
وہ جیت اپنی فوج کو دے یا کہ ہار دے

جوہر کی چہیتی بیٹی آمنہ بستر مرگ پر شدّت کرب سے بے چین اور بیقرار ہے۔ یہ خبر ناخوش اُس کے اسیر و محبوس باپ کو جیل خانہ میں پہنچائی جاتی ہے۔ جسے سُن کر وہ رضائے الٰہی کے آگے سرِ تسلیم خم کرتے ہوئے چند اشعار نظم کرتا ہے۔ ان میں سے دو شعر جو "رضا بالقضاء" کے رنگ میں ڈوبے ہوئے ہیں ذیل میں نقل کئے جاتے ہیں

ہم کو تقدیرِ الٰہی سے نہ شکوہ نہ گلہ
اہلِ تسلیم و رضا کا تو یہ دستور نہیں
تیری صحت ہمیں مطلوب ہے لیکن اس کو
نہیں منظور تو پھر ہم کو بھی منظور نہیں

مومن کبھی ہراساں و مایوس نہیں ہوتا۔ چنانچہ حضرت جوھــ

فرماتے ہیں :۔

وحشتِ رہِ غربت میں اکیلا تو نہیں تو
بطحا کے مہاجر کا تو نقشِ کفِ پا دیکھ

تو طیرِ ابابیل سے ہرگز نہیں کمزور
بیچارگی پہ اپنی نہ جا شانِ خدا دیکھ

اس کو کیا خوفِ رہِ ظلمات ہے
جس کی رہبر خود خدا کی ذات ہے

ہو نہ مایوس کہ ہے فتح کی تقریب شکست
قلبِ مومن کا مری جان نکھرنا ہے یہی

وہ مومن کے قلب میں راہِ خدا میں جان نثار کرنے اور شہید ہونے کی آرزو بدرجہ اتم پائی جاتی ہے۔ چنانچہ جوہر کی زبان سے اُن کے قلب کی ترجمانی ملاحظہ ہو۔

اور کس وضع کی جویاں ہیں عروسانِ بہشت
ہیں کفن سرخ، شہیدوں کا سنورنا ہے یہی

یہ حورِ بہشتی کی طرف سے ہے بُلاوا
لبیک اک مقبل کا صلا میرے لیئے ہے

حسرت میں نہیں دستِ حنا بستہ بھی کچھ کم
پر شوخی خونِ شہدا میرے لیئے ہے

---

(۵) مومنؔ کے بعض اقوال پیشین گوئی کا حکم رکھتے ہیں چنانچہ جوہر کے
حسب ذیل اشعار بھی اسی نوعیت کے ہیں
جیتے جی تو کچھ نہ دکھلایا مگر
مر کے جوہرؔ آپ کے جوہر کھلے

تم یوں ہی سمجھنا کہ فنا میرے لیئے ہے
پر غیب سے سامان بقا میرے لیئے ہے

ہے رشک اک خلق کو جوہر کی موت پہ
یہ اس کی دین ہے جسے پروردگار دے

جوہر کو مومن ساں خدائے لم یزل ولایزال سے جو تعلق تھا، اس سلسلہ میں اُن کے چند اشعار کا مطالعہ بھی خالی از دلچسپی نہ ہوگا:-

جینا وہ کیا کہ دل میں نہ ہو تیری آرزو
باقی ہے موت ہی دلِ بے مدعا کے بعد

اک شہرِ آرزو پہ بھی ہونا پڑا خجل
ہل من مزید کہتی ہے رحمت دعا کے بعد

ہیں کھو کے تیری راہ میں دولتِ دنیا
سمجھا کہ کچھ اس سے بھی سوا میرے لئے ہے
توحید تو یہ ہے کہ خدا حشر میں کہہ دے
یہ بندہ دو عالم سے خفا میرے لئے ہے

اللہ کے رستے ہی میں موت آئے مسیحا
اکسیر یہی ایک دوا میرے لئے ہے
کیا ڈر ہے جو ہو ساری خدائی بھی مخالف
کافی ہے اگر ایک خدا میرے لئے ہے

اُمتِ احمدؐ کو ہے فضل کی تیرے اُمید
فضل کی اُمیدوار دیکھئے کب تک رہے

عشق سو وہ نِرا، صبر طلب ہے بہت
صبر ہمارا شعار دیکھئے کب تک رہے

اک تو جو مہرباں ہو تو ہر اک ہو مہرباں
اور یوں نہ ہو بلا سے کوئی مہرباں نہ ہو

ہم کو تو ایک تجھ سے دو عالم میں ہے غرض
سب بدگماں ہوا کریں تو بدگماں نہ ہو

دیر و حرم میں ڈھونڈھ کے سب تھک گئے اُسے
اب کون کہہ سکے کہ کہاں ہو کہاں نہ ہو

اس کو کیا خوف رہِ ظلمات سے ہے
جس کی رہبر خود خدا کی ذات ہے

کیا نہ ہوگی میری ہی حاجت روا
جس کا مولیٰ قاضی الحاجات ہے

تیری رحمت پر ہو جس کا آسرا
اُس کو کیا حزن و غم مافات ہے

ایک ہی در کا بھکاری ہوں مجھے
بس فقط تیرا سہارا چاہیئے

رہیگی اُٹھ کے یہ اک دن نقاب دیکھو تو
ہمارے رب ہمیں سے حجاب دیکھو تو

جی چاہے جہاں بھیج! ہمیں تجھ سے غرض ہے
مالک کا نہ کچھ شکوہ نہ رضواں کی شکایت

وہ مردِ مومن" کی حیثیت سے جوہر کو مولائے کُل ختم الرسل صلعم سے
جو روحانی ایمانی نسبت تھی وہ اشعار ذیل سے عیاں ہے۔

تشنہ لب ہوں مدتوں سے دیکھئے
کب درِ میخانۂ کوثر کھلے

کیوں ایسے نبی پر نہ فدا ہوں کہ جو فرمائے
اچھے تو سبھی کے ہیں برا میرے لئے ہے

اے شافعِ محشر جو کرے تو نہ شفاعت
پھر کون وہاں تیرے سوا میرے لئے ہے

میں اُس پہ بھیجوں درود و سلام کس منہ سے
کہ جس کے نام خود اللہ کا سلام آیا

جو ہر بیجاپور جیل میں اسیر ہیں۔ فرنگی حکومت نے انھیں اس جرم میں مقید کیا کہ وہ اپنے ملک کی آزادی کی خاطر جدّ و جہد کر رہے تھے اور اس حد تک کہ وہ حکومت کی نظر میں خطرناک اور تشویشناک قرار دی گئی۔ وہاں وہ خواب میں مشرف بہ دیدار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہوتے ہیں اور خواب سے بیدار ہوتے ہی دو رکعت نماز بطور شکریہ ادا کرنے کے بعد حسب ذیل اشعار موزوں فرماتے ہیں۔

تنہائی کے سب دن ہیں تنہائی کی سب راتیں
اب ہونے لگیں اُن سے خلوت میں ملاقاتیں

ہر آن تسلّی ہے ہر لحظہ تشفی ہے
ہر وقت ہے دلجوئی ہر دم ہیں مدارائتیں
کوثر کے تقاضے ہیں تسنیم کے ہیں وعدے
ہر روز یہی چرچے ہر رات یہی باتیں
معراج کی سی حاصل سجدوں میں ہے کیفیت
اک فاسق و فاجر میں اور ایسی کرامتیں
بے مایہ سہی لیکن شاید وہ بلا بھیجیں
بھیجی ہیں درودوں کی کچھ ہم نے بھی سوغاتیں

جائے تاسف ہے کہ دنیا نے مولانا محمد علی رحمۃ اللہ علیہ کو انگریزی اور اردو کا بہترین انشا پرداز تسلیم کیا، اُن کی خطابت و سحر بیانی پر انھیں خراج تحسین پیش کیا لیکن اُن کی شاعرانہ عظمت سے صحیح طور پر متعارف نہ ہوسکی۔ بدیں سبب ان صفحات میں اس امر پر اجمالاً بحث کرنا لازم ہے۔

جوہر کا کلام گو مختصر ہے لیکن جامع۔ اس کا فنی تجزیہ کرنے سے اس حقیقت کا بخوبی انکشاف ہوجاتا ہے کہ وہ تصوف کے رنگ فلسفہ کے دقائق عشق کی سرمستی، حسن کی دلنوازی، غم کی کلفت

خدا کی حقیقت، مسرت کی لذت، ظرافت کی چاشنی، اخلاق کی رہنمائی سے مجموعی طور پر متصف و مزین ہے۔ بہ الفاظِ دیگر اس میں جملہ اصنافِ سخن مع اپنی تمام تر لطافتوں اور رنگینیوں کے جلوہ ریز و عطر بیز ہیں۔

جہاں تک رنگِ تغزل کا تعلق ہے۔ جوہر کے کلام سے اشعارِ ذیل کو پیش کیا جا سکتا ہے۔

کس زور کی لڑائی تھی اللہ رے کشمکش
تھی رات یاس اور دلِ ناصبور تھا

غیروں سے لطف ہم سے الگ حیف ہی اگر
یہ بے حجابیاں بھی ہوں عذرِ حیا کے بعد

عزم عاشق ہے خود اپنی کامیابی کی دلیل
نام بھی لینا نہ ہرگز کوشش برباد کا
ہم تو سمجھے تھے کہ ہوں گے اور بھی ظلم و ستم
حوصلہ کچھ بھی نہ نکلا آپ کی بیداد کا

حکم کے آگے تیرے پہلے بھی اُٹھ سکتا نہ تھا

بارِ احساں اور سر پر ہو گیا جلّاد کا

دعوٰئ مژگاں کی کچھ جس میں نہ باقی ہو سکت

ایسے دل لوٹنے کے گھر کیا کام ہے فصّاد کا

گر ہوئے گل اب نہیں نہ سہی یادِ گل تو ہے

صیّاد لاکھ رکھے قفس کو چمن سے دور

آسماں سے تھا تقرب شیریں تو کیا ہوا

تیشہ کو کوئی رکھ نہ سکا کوہکن سے دور

تم سے بعید تھا کہ بھلا دو اگرچہ ہم

اک عمر ہو گئی کہ ہوئے انجمن سے دور

تیرِ نگہ نے کر دیا دونوں کا فیصلہ

باہم دل و جگر میں یہ تکرار دیکھ کر

کچھ بھی تو ضبطِ گریہ نہ شبنم سے ہو سکا

بلبل کو فصلِ گل میں گرفتار دیکھ کر

ہم خاصدگانِ اہلِ نظر اور یہ قتلِ عام
جور و ستم بھی کر تو ستمگار دیکھ کر
ہر سینہ آج ہے ترے پیکاں کا منتظر
ہو انتخابِ نگہِ یار دیکھ کر

بے خوفِ غیر دل کی اگر ترجماں نہ ہو
بہتر ہے اس سے یہ کہ سرے زباں نہ ہو

شفق کے آج تو تیور ہی کچھ نرالے ہیں
نہ ہو کسی کا رُخِ پُرعتاب دیکھو تو

مہمانِ قفس کیا ترے فریاد کریں گے
اتنی بھی نہ اب خاطرِ صیاد کریں گے
وہ جس سے کہیں ہم تجھے دلشاد کریں گے
سمجھو کہ اُسے اور بھی برباد کریں گے

خوش کرنے کو قاتل کے ہم اور اشک بہائیں
ہاں زخم جگر ہنس کے اُسے شاد کرینگے
کہہ لینے دو درد دل کھول کے ناصح کو نہ ٹوکو
کچھ اور بھی شاید ابھی ارشاد کریں گے
ہم جانتے ہیں لطف و عنایات کو اُن کی
ہر گا ہی کچھ اور بھی بیداد کرینگے

اس قدر احتیاط اے صیاد
کہ قفس میں بھی پر کترتا ہے

عرش تک جو بے خطا جاتا ہے وہ تیر ہے
تیر سمجھا ہے کہ میری آہ بے تاثیر ہے
ہاتھ تو ہوں گے قلم پر نامہ بر یہ بھی کہا؟
دل چرا لیتی ہے پہلو سے یہ وہ تحریر ہے

مذکورہ بالا اشعار کا بہ نظر تعمق مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان میں اُستاد الف جیسی پختگی طرفگی اور شگفتگی ہے۔
اگر ہم میر و غالب کا سہل ممتنع تلاش کریں تو ہمیں جو ہر

کے اشعار مندرجہ ذیل میں ملے گا:۔

قیدِ تنہائی کا لذت آشنا
کیسے کہہ دوں تارکِ لذّات ہے

دل سے ہوتی رہتی ہیں سرگوشیاں
اب یہی اک مشغلہ دن رات ہے

دشمنوں سے گر تلطف ہے تو کچھ
دوستوں سے بھی مدارا چاہیے

گلہ اے دل! ابھی سے کرتا ہے
عشق کا دم اسی پہ بھرتا ہے

جان دیتا ہے عیشِ فانی پر
بس اسی زندگی پہ مرتا ہے

ہیں یہ انداز آزمانے کے
اور ہی ڈھنگ ہیں ستانے کے

پوچھتے کیا ہو بود و باش کا حال
ہم ہیں باشندے جیل خانے کے

تجھ سے سیکھے کوئی ستم ایجاد
طرز عشّاق کے ستانے کے

یہ بگڑنا ہے سب بناوٹ کا
منتظر ہیں فقط منانے کے

جوہر کے کلام میں غالب کا طرز اسلوب، تصوّف و فلسفہ نیز اُن کی دقّتِ نظری، وسعتِ خیال اور ندرتِ فکر بھی ہے چنانچہ اشعار ذیل کو اس دعوے کی دلیل کے طور پر پیش کیا جا سکتا ہے۔

طوافِ کعبہ بھی کر آئے شوقِ حور و غلماں میں
جب آخر دار کو دیکھا درِ باغِ جناں پایا

حیاتِ جاوداں کیا خاک ملتی مر کے زاہد کو
اُسے تو موت سے پہلے ہی مُشتِ استخواں پایا

خیالِ خلد نے آوارہ رکھا مدتوں ہم کو
وہ چھوڑا تب کہیں جا کر درِ پیرِ مغاں پایا

نہ بھائی ہوگی یہ تمکیں، یہ وضعِ احتیاط اُس کو
اگر ساقی کو رندو، تم نے کچھ کچھ سرگراں پایا

ہوا تھا قید فصلِ گُل میں جو مُرغ اُسکو گلشن یا
قفس سے چھُٹتے ہی صیدِ غمِ جورِ خزاں پایا

جان بھی چیز ہے کوئی کہ رکھیں تم سے دریغ
پاسِ اتنا بھی نہ ہو رسمِ وفاداری کا

عشق ہی باعثِ تکوینِ جہاں ہے غافل
تو نے جانا کہ یہ اک شغل ہے بیکاری کا

طفلِ مکتب ہے ترے سامنے خود چرخِ کہن
کس سے سیکھا ہے یہ اندازِ دل آزاری کا؟

ہم معتیٔ ہوس نہیں اے دل ہوائے دوست
راضی ہیں ہم اُسی میں ہو جس میں رضائے دوست

ملتی نہیں کسی کو سندِ امتحاں بغیر
دار و رسن کے حکم کو سمجھو صلائے دوست

یعقوب پر فضول ہوئے لوگ خندہ زن
یاں لامکاں سے آتی ہے بوئے قبائے دوست

چھپتا نہ بزمِ غیر میں بھی رازِ دل مگر
دشمن کے آگے کون کہے ماجرائے دوست

دورِ حیات آئے گا قاتل قضا کے بعد
ہے ابتدا ہماری تری انتہا کے بعد

تجھ سے مقابلے کی کسے تاب ہو و لے
میرا لہو بھی خوب ہے تیری حنا کے بعد

لذت ہنوز مائدۂ عشق میں نہیں
آتا ہے لطفِ جرمِ تمنا سزا کے بعد

غیروں پہ لطف ہم سے الگ حیف ہے اگر
یہ بے حجابیاں بھی ہوں عذرِ حیا کے بعد

ہے رشک کیوں یہ ہم کو سرِ دار دیکھ کر
دیتے ہیں بادہ ظرفِ قدح خوار دیکھ کر

سوزِ درون سے جل بھی بجھو لیکن دھواں نہ ہو
ہے دردِ دل کی شرط کہ لب پہ فغاں نہ ہو

پھر ہو رہا ہے شور سلا کے نبردِ عشق
ہاں اے دہانِ زخم جوابِ الاماں نہ ہو

کیا فائدہ گر اس نے چھپایا بھی دردِ دل
یہ کام جب بنے کہ مژہ خونچکاں نہ ہو

کیا کیجیے چمن کے مائدۂ دل کو لخت لخت
تب ہی تیر سینے میں جب میہماں نہ ہو

خوفِ رقیب کا تو یہ عالم اور اس پہ عشق
جب چاہتے ہیں چاہ کا اُن پر گماں نہ ہو

ہے وصلِ یار کی بھی تمنا کا حوصلہ
ڈر یہ بھی ہے کہ سمع عدو پر گراں نہ ہو

پہلو سے دل کو لیکے وہ کہتے ہیں ناز سے
کیا آئیں گھر میں آپ ہی جب میزباں نہ ہو

نہ اُڑ جائیں کہیں قیدی قفس کے

ذرا پر باندھنا صیّاد کس کے

عبیر کا خط ہے کہ دل ہے کسی دلدادہ کا

کچھ تو ہے تم نے جو مٹھی میں چھپا رکھا ہے

یہ ستانے کی نکالی ہے انوکھی ترکیب

ظلم کا نام ستمگر نے حیا رکھا ہے

ایک شہیر ادیب و ناقد کا قول ہے کہ جوہر کا شعر ذیل ریاض خیرآبادی کے جملہ کلام پر بھاری ہے۔

کرنا ہی تھا حرام تو پھر وعدہ کس لیے

یہ کیا کہ مے حلال وہاں ہو یہاں نہ ہو

اور ایک کہنہ مشق اہلِ قلم تو اسے بہت عرصہ تک ریاض ہی کا فرمودہ سمجھتے رہے۔

امیر مینائی کا رنگ جوہر کے اشعار ذیل میں جھلکتا ہے

پھولوں سے پرست دیکھ کے مدہوش ہو گئے   شیشے میں ہے بھری تو [illegible]

ڈر نہیں مجھ کو گناہوں کی گرانباری کا
تیری رحمت ہے سبب میری سبکساری کا

بوجھ میرا نہ اُٹھائے کوئی محشر میں تو کیا
دستگیر آپ جو رحمت ہے گنہگاروں کی

داغ جیسی معاملہ بندی اور سلاست زبان جوہر کے حسبِ ذیل اشعار میں نمایاں ہے:-

ہے یہاں نام عشق کا لینا
اپنے پیچھے بلا لگا لینا

شرط ٹھہرے پہ نہ چلے سُن لے پھر
خامے کو ہاتھ میں دبا لینا

نامۂ شوق اُن کو شوق سے لکھ
غیر کو بھی مگر دکھا لینا

کل کو بوسے کے واسطے بھی ضرور
شرط ہوگی اُسے ہم چتا لینا

اگر آئے طبیبِ مرگ کہیں
دوستو! ہم کو بھی بُلا لینا

زاہد لپٹے وہ یاں نقاب ذرا
رُخِ محبوب سے ہٹا لینا

آج ہی بھر کے دیکھ لینے دو
کل کو دل کھول کر ستا لینا

وصل کی شب نہ چھیڑ قصۂ ہجر
پھر کبھی اور دن سنا لینا

اُن کے دیتے زکوٰۃِ حسن اگر
گالیاں بھی ملیں تو کھا لینا

غیر سے دوستی کرو، لیکن
پہلے کچھ روز آزما لینا

ایک ہی جام اور یہ سرمستی
ساقیا، دیکھیو، میں چلا، لینا

کس زور کی لڑائی تھی، اللہ رے کشمکش
تھی رات یاس اور دلِ ناصبور تھا

نہیں معلوم آئی تھی حیا کم بخت کو کس سے
کہ حسرت نے سرے دامانِ دل ہی آ کے منہ ڈھکا

قلزمِ عشق میں گرا سو گرا
اس کا ڈوبا کہیں ابھرتا ہے

یہ بگڑنا ہے سب بناوٹ کا
منتظر ہیں فقط منانے کے

خود ہی بیٹھے ہیں یاں تو روٹھ کر
آپ گئے دن وہ ناز اٹھانے کے

جوہر کی حسبِ ذیل غزل "حمد" کے باب میں اساتذۂ سخن کے کلام سے "لگّا" کھاتی ہے :-

تجھے تسکینِ دل پایا، تجھے آرام جاں پایا
نہاں بھی ہے تو کیا، تجھکو جہاں ڈھونڈا وہاں پایا

ہمیں ہر چیز میں آئی نظر یارب! ادا تیری
وہ کیسے ہونگے جن لوگوں نے تجھ کو بے نشاں پایا

کوئی نامہرباں ہو کر ہمارا کیا بگاڑے گا
کرم تو تیرا ہے ہم پر تجھے تو مہرباں پایا

ترا وہ مبتلا ناکام سمجھا جس کو دنیا نے
اُسی کو سر خرو دیکھا اُسی کو کامراں پایا

عنادل ہیں چمن کے تیرے فصلِ گل کے بے پروا
محبت کو تری ہم نے بہارِ بے خزاں پایا

حرم میں تھا ہر اک کو جستجو تیرے تعشق کا
جو کی تحقیق تو اکثر وہی عشقِ بتاں پایا

ہماری جان بھی حاضر ہے اس کے اک اشارے پر
کہ جس کو اک جہاں نے آپ ہی جانِ جہاں پایا

کسی کو ڈھونڈھتا دیکھو جو اپنے گوشۂ دل میں
تو بس سمجھو کہ اب اس نے سراغ لامکاں پایا

رہا آوارۂ دیر و حرم پہلو سے بیگانہ
دل اس کا عرش و کرسی ہے کہاں ڈھونڈا کہاں پایا

خجل خود خجلت تردامنی سے ہو گئے عاصی
تری رحمت کو جب دیکھا تو بحر بیکراں پایا

جہاں ایماں ہو واں کیسے گزر ہو یاس حرماں کا
کسی مومن کو بھی اے دل خدا سے بدگماں پایا

نہیں سرکش کی سرکوبی میں وہ محتاج قوت کا
اسی کو چن لیا جس کو ضعیف و ناتواں پایا

جوہر کے چند اشعار جو قبولیت عامہ حاصل کر چکے ہیں سپرد قلم کئے جاتے ہیں۔

قتل حسین اصل میں مرگ یزید ہے
اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد

توحید تو یہ ہے کہ خدا حشر میں کہدے
یہ بندہ دو عالم سے خفا میرے لئے ہے

جیتے جی تو کچھ نہ دکھلایا مگر
مر کے جوہر آپ کے جوہر کھلے

بلحاظِ معنویت جوہر کے اشعارِ ذیل اپنا جواب نہیں رکھتے:-

جب اپنی پوری جوانی پہ آگئی دُنیا
تو زندگی کے لیئے آخری نظام آیا

اُن سے نہ ستم کا نہ تغافل کا گلہ ہے
ہو جاتی ہے ہاں پاکیٔ داماں کی شکایت

آزمائش ہے تو بنیاد ہے ہر خوبی کی
ہو نہ یہ بھی تو دھرا کیا ہے پھر انسان کو پاس

ہر شے کو لے کے شکر کیا بھی تو کیا کیا
جاں دیجئے رقت شکر ادا ہو تو جانیئے

رہرو تھا راہِ عشق کا منزل کو پا لیا
اب اور کیا نشاں مری لوحِ مزار دے؟

مروت سے تری ہم بیکسوں کی شرم رہ جاتی
بھری محفل میں ساقی، اک یہی پیمانہ خالی ہے

جوہر کے یہاں ظرافت و طنز کا بھی فقدان نہیں۔ اشعارِ ذیل ملاحظہ ہوں:-

شوکت کا قول ہے وہ تن و توش جب نہیں
پھر کیوں گنیں نہ اپنے کو روحانیوں میں ہم

یہ ظلم ہے کہ سب کو کریں ایک سا خیال
پاتے ہیں عقل بھی کبھی شیروانیوں میں ہم

کس بوالہوس سے لینے چلے تم بھی دادِ عشق
جوہر ضرور ہمیں نے کی قدر بیت کی

گھٹیں کیا حُبّ ملک و عشق و مذہب
نشے ہیں یہ بھی کیا چانڈو چرس کے

" نوحہ و مرثیہ " کے میدان میں جوہر کی راہ سب سے الگ ہے اور اُن کا انداز بھی اچھوتا اور نرالا ہے، سید الشہداء امام حسینؓ کی شان و شہادت کے بارے میں فرماتے ہیں :-

نوحۂ غم سے گھٹاتے نہیں ہم شان حسینؓ
حق ہے شاہد کہ شہادت ہی تھی شایان حسینؓ
آج ہے اُمّتِ احمد کے لئے فخر کا دن
آج کے روز ہوئی فتح نمایان حسینؓ
حشر تک چھوڑ گئے ایک درخشندہ مثال
حق پرستوں کو نہ بھولے گا یہ احسان حسینؓ

اُن سے پوچھو کہ جنھیں جان ہو ایماں سے عزیز
کم تھی کس جان سے بتلاؤ تمہیں جان حسینؓ
اسی کو سینچا ہے شہیدوں نے لہو سے اپنے
سبز و شاداب نہ پھر کیوں ہو گلستان حسینؓ

یاں نہ گلچیں کی رسائی نہ خزاں کا ہے گزر
غم سے واقف ہی نہیں بلبلِ بستانِ حسینؑ

تب سے جاری ہے یہاں صبر و رضا کا لنگر
دل حاسد کی طرح تنگ نہیں خوانِ حسینؑ

دولت ایثار کی بٹتی ہے یہاں صدیوں سے
ختم ہوتا ہی نہیں گنج فراوانِ حسینؑ

اپنے ایک صحافتی دیرینہ اور مخلص کارکن کی مرگِ مفاجات پر
اُن کا قلم معجز رقم یوں اشکباری کرتا ہے :-

ابھی مرنا نہ تھا غلامِ حسین
کوئی دن اور بھی جئے ہوتے
کچھ تو انعام حق پرستی کے
ہم غریبوں سے بھی لئے ہوتے
اے مرے رند بادۂ حق کے
ابھی دو چار خم پئے ہوتے
غم تو دل بھی فگار کر کے چلے
زخمہائے جگر سئے ہوتے

یوں نہ دامن چھڑا کے چل دیتے
تم اگر اس بزم کے لئے ہوتے
تم کو ایسا ہی تھا اگر جانا
چند نعم البدل دیئے ہوتے
تھی شہادت کی کس قدر جلدی
کام کچھ اور بھی کئے ہوتے
خوب کھلتا بہشت کا رستہ
ساتھ ہم کو بھی گر لئے ہوتے

جوہر کا اپنا بھی طرزِ کلام ہے جو انہیں دوسرے اربابِ فن سے ممیز و ممتاز کرتا ہے اور اس باب میں ان کے چند اشعار نقل کئے جاتے ہیں :-

الٰہی شکر تیرا پھر مہِ صیام آیا
مہِ صیام نہیں عید کا پیام آیا

گھڑی وہ کیسی مبارک تھی کل جہاں کے لئے
حرا میں عرش سے اقرأ کا جب پیام آیا

چند روزہ عیش ہے یہ جنت شداد کا
اس طرح ہرگز نہ ہوگا فیصلہ بغداد کا

چھپتی ہے کب چھپائے سے بوئے ہر ادائے دوست
دشمن کی دشمنی ہے فقط ابتلائے دوست
دینا تھی داد تشنہ لبی یوں حسینؑ کو
کوثر کا اک بہانہ بنی کربلائے دوست

ہے کس کے بل پہ حضرتِ جوہر یہ روکشی
ڈھونڈیں گے آپ کس کا سہارا خدا کے بعد

یادِ وطن نہ آئے ہمیں کیوں وطن سے دور
جاتی نہیں ہے بوئے چمن کیا چمن سے دور

مستِ مئے الست کہاں اور ہوس کہاں
طرزِ وفائے غیر ہے اپنے چلن سے دور

کچھ بھی وہاں نہ خنجر قاتل کا بس چلا
روحِ شہید رہتی ہے نعش و کفن سے دور

تقوے کے بعد خوف کہاں حزن پھر کہاں
عالم ہی اک جدا ہے وہ رنج و محن سے دور

یوں بچ سکو مؤاخذہ حشر سے تو ہاں
مارو دیارِ غیر میں ہم کو وطن سے دور

لاکھ حربے سہی ہر وضع کے شیطان کے پاس
ڈھال ایمان کی موجود ہو انسان کے پاس

مت سمجھنا انھیں کم مایہ غنی ہیں یہ لوگ
کنزِ مخفی ہے ہر اک صاحبِ ایمان کے پاس

یکبارگی ہر قید سے ہو جائے رہائی
جا پہنچیں جو زنداں سے کہیں باغِ جناں تک

گھبرا کے لگا کہنے ولا تو تو اکثر ہی سے
ہے صبر کی حد بھی کوئی، ہو صبر کہاں تک

مجھ سے یہ دیکھی نہیں جاتی تباہی کیا کروں؟
کچھ سمجھ ہی میں نہیں آتا الٰہی، کیا کروں؟
اس کی رحمت کو تو خود درکار ہے عذرِ گناہ
لے کے پھر زاہد کا عذرِ بے گناہی کیا کروں؟

صبر بھی شیوۂ مسلم ہے مگر شکرِ خدا — نورِ اسلام سے دل آج بھی بے نور نہیں
تو تو مُردوں کو جِلا سکتا ہے، قرآن میں کیا
تُخرِجُ الحیَّ من المیّت مذکور نہیں

دینا اگر نہ چاہے تو یوں موت تک نہ دے
دینے پہ لیکن آئے تو پھر بے شمار دے

کیا نہیں واقف کبھی اسلام کی تاریخ سے
اِنَّ مَعَ العُسرِ یُسرا ہی کی سب تفسیر ہے

ہے مسلماں کی بس یہی پہچان
کہ فقط اک خدا سے ڈرتا ہے

قولِ مومن ہے اس کے فعل کی شرح
وہ جو کہتا ہے کر گزرتا ہے

جو کچھ اوپر مذکور ہوا اس کے علاوہ بھی جوہر کے کلام میں ادبی خوبیاں اور شعری محاسن موجود ہیں اور ایسے ایسے اشعار ہیں جو اپنا جواب نہیں رکھتے لیکن بخوفِ طوالت انھیں نظر انداز کیا جاتا ہے۔

ناقدانہ ذمہ داری کے تحت اس امر کا اظہار بھی ناگزیر ہے کہ جوہر کے کلام میں "حسن" کے ساتھ ساتھ "قبح" بھی ہے۔ لیکن یہ کہنا انصاف کا خون ہوگا کہ خود جوہر کو معائب و محاسن کی تمیز نہ تھی۔ تخیلات کی بلندی اور کلام کی پختگی جوہر کی زباندانی اور سخن فہمی کا بین ثبوت ہے۔ بایں لحاظ یہ کہنا بیجا نہ ہوگا کہ صرف جوہر ہی نہیں بلکہ تقریباً ہر شاعر کے کلام میں حسن و قبح کے

دونوں پہلو درست و گریباں ہوتے ہیں۔ استدلال میں حضرت داغ دہلوی کا شعر صادق آتا ہے ؎

مجھے یہ ڈر ہے کہ ایمان لے نہ آئیں لوگ
خدا کرے غلطی کچھ مرے سخن میں رہے

چنانچہ اس اصول پر عمل پیرا ہوتے ہوئے اس کی توضیح و تشریح سے اجتناب ہی مناسب ہے۔

مخفی مبادکہ جوہر کا کلام مع ناقدانہ حواشی کے بعد تکمیل ارباب ذوق کی خدمت میں مستقبل قریب میں پیش کیا جائے گا۔

اب ہم قارئین کو گنجینۂ جوہر سے حسب دلخواہ لطف اندوز ہونے کی دعوت دیتے ہوئے رخصت ہوتے ہیں۔

درست قدوائی

غزل

تصنیف کردہ بزم طالب علمی در علی گڑھ کالج سنہ ۱۸۹۰ء

کیوں مے پرست دیکھ کے مدہوش ہو گئے
شیشہ میں مے بھری تھی کہ اللہ کا نور تھا

کس زور کی لڑائی تھی اللہ رے کشمکش
تھی رات یاس اور دل ناصبور تھا

کیوں تاب دید حضرت موسیٰ نہ لا سکے
کیا پہلوئے عدو کی طرح کوہ طور تھا

خوش قسمتی کے آگے جھکایا نہ سر کبھی
اس خانماں خراب کو کتنا غرور تھا

میں تیرا گھر سمجھ کے سر راہ گر پڑا
دیکھا جو آنکھ اٹھا کے تو دروازہ دور تھا

۱۸۹۷ء

مجھے انکار وصل غیر پر کیوں کر نہ شک گزرے
زباں کچھ اور لب پہ پیرہن کچھ اور کہتی ہے

ذرا دم لے صبا، پھر سے سیر گل دل کھول کر کرنا
ابھی یہ عندلیب کم سخن کچھ اور کہتی ہے

ارادہ تھا یہ نالوں کا ہلا دیں ربع مسکوں کو
مگر اے ہم نفس دل کی تھکن کچھ اور کہتی ہے

یقیں آنے کو تو آجائے تیرے عہد و پیماں کا
تری آنکھ اے بت وعدہ شکن کچھ اور کہتی ہے

قضا کس کو نہیں آتی ہے یوں تو سب ہی مرتے ہیں
پر اس مرحوم کی بوئے کفن کچھ اور کہتی ہے

تری خاطر بھی ہے منظور، پاس عدو بھی ہے
مگر میں کیا کروں، دل کی جلن کچھ اور کہتی ہے

حرم میں کر تو دے اظہارِ ترکِ میکشی جوہر
مگر کمبخت کی بوئے دہن کچھ اور کہتی ہے

سنہ ۱۸۹۸ء

غیر کا خط ہے کہ دل ہے کسی دلدادہ کا
کچھ تو ہے تم نے جو مٹھی میں چھپا رکھا ہے

یہ ستانے کی نکالی ہے انوکھی ترکیب
ظلم کا نام ستمگر نے حیا رکھا ہے

آپ آئے ہیں عیادت کو دمِ نزع عبث
جوہرِ خستہ میں اب کہیے تو کیا رکھا ہے

سنہ ۱۸۹۸ء

کیا دل نے نکل کر خود ہی استقبال پیکاں کا
تواضع شرط ہے نیت یہی کہتا تھا مہماں کا

ارادہ ہے طوافِ کعبہ کا اُس آفتِ جاں کا
خدا حافظ مسلمانو تمہارے دین و ایماں کا

اُسی کے منتظر ہیں ہم بھی جس کی تو ہے اے بلبل
بہار آنے پہ ہوگا فیصلہ دست و گریباں کا

نکالا پیر سے پر دل میں کھبا دستِ وحشت نے
خدا کی شان ہے رُتبہ بڑھا خارِ مغیلاں کا

نہیں معلوم آئی تھی حیا کم بخت کو کس سے
کہ حسرت نے مرے دامانِ دل میں آ کے منہ ڈھانکا

صدائے آفریں سے تیری آنسو پُنچھ گئے دل کے
مگر پوچھا نہ تو نے حال کچھ بھی چشمِ گریاں کا

ابھی تک خیر ہے لیکن بہار آنے دے اے بلبل
بلا لائے گا تیرے سر پہ ہر غنچہ گلستاں کا

جنوں باقی ہے اب تک گو تری محفل میں جا بیٹھا
کہ رہ رہ کر خیال آتا ہے مجھ کو سر کو بیاباں کا

دیگر

خوگرِ جور پہ تھوڑی سی جفا اور سہی
اس قدر ظلم پہ موقوف ہے کیا اور سہی

خوفِ شاہ، عدالت کا خطر، دار کا ڈر
ہیں جہاں اتنے وہاں خوفِ خدا اور سہی

عہدِ اوّل کو بھی اچھا ہے جو پورا کر دو
تم وفادار ہو تھوڑی سی وفا اور سہی

جس نے ہنگامۂ عدالت کا نظری دیکھا ہے
اس گنہگار کو اِک روزِ جزا اور سہی

کشورِ کفر میں کعبہ کو بھی شامل کر لو
سبز عنایت کو تھوڑی سی فضا اور سہی

بندگی میں تری سہتے ہی ہیں لُو کی لپٹیں
چند دن کے لیئے دوزخ کی ہوا اور سہی

دین و دل جا ہی چکے جان بھی جاتی ہے تو جائے
ترکشِ کفر میں اک تیرِ قضا اور سہی

ربِّ عزّت کے لیئے بھی کوئی رہنے دو خطاب
"تم خداوند ہی کہلاؤ" "خدا اور سہی"

حکم حاکم نہ سہی مرگِ مفاجات سے کم
مالک الملک پہ ایماں کی سزا اور سہی

ہم وفا کیشوں کا ایماں بھی ہے پروانہ صفت
شمعِ محفل جو وہ کافر نہ رہا اور سہی



دورِ حیات آئے گا قاتل قضا کے بعد
ہے ابتدا ہماری تری انتہا کے بعد

جینا وہ کیا کہ دل میں نہ ہو تیری آرزو
باقی ہے موت ہی دلِ بے مدعا کے بعد

تجھ سے مقابلہ کی کسے تاب ہے و لے
میرا لہو بھی خوب ہے تیری حنا کے بعد

اک شہر آرزو پہ بھی ہونا پڑا خجل
ھَل مِنْ مَّزِید کہتی ہے رحمت دعا کے بعد

لذت ہنوز مائدۂ عشق میں نہیں
آتا ہے لطفِ جرمِ تمنا سزا کے بعد

قتلِ حسینؑ اصل میں مرگِ یزید ہے
اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد

غیروں پہ لطف ہم سے الگ حیف ہی اگر
یہ بے حجابیاں بھی ہوں عذرِ حیا کے بعد

ممکن ہے نالہ جبر سے رک بھی سکے مگر
ہم پر تو ہے وفا کا تقاضا جفا کے بعد

ہے کس کے بل پہ حضرت جوہر یہ روکشی
ڈھونڈیں گے آپ کس کا سہارا خدا کے بعد

چند روزہ عیش ہے یہ جنّتِ شدّاد کا
اس طرح ہرگز نہ ہوگا فیصلہ بغداد کا
شورِ ماتم کے لیے تیار رکھ گوشِ مراد
ہے شرارِ حسن یہ ہنگامہ مبارک باد کا
پہلے بھی اکثر وہ نکلا مستحق شکرِ حق
جس کو ہم سمجھے تھے موقع شکوہ و فریاد کا
نورِ حق وہ شمعِ انور ہے جو بجھ سکتی نہیں
ہے خدا حافظ چراغِ رہ گزارِ باد کا
عزمِ عاشق ہے خود اپنی کامیابی کی دلیل
نام بھی لینا نہ ہرگز کوششِ برباد کا

ہم تو سمجھے تھے کہ ہوں گے اور بھی ظلم و ستم
حوصلہ کچھ بھی نہ نکلا آپ کی بیداد کا

اس پہ کیا موقوف ہے کر اور بھی ظلم و ستم
کچھ بھی باقی ہو جو ظالم حوصلہ بیداد کا

کر دیا قید قفس سے ہم کو آزاد چمن
پاس کافی ہو چکا اب خاطر صیاد کا

حکم کے آگے ترے پہلے بھی اٹھ سکتا نہ تھا
بار احساں اور سر پر ہو گیا جلاد کا

دعوت مژگاں کی بھی جس میں نہیں باقی سکت
ایسے دیوانے کے گھر کیا کام ہے فصاد کا

گیارہویں کو فاتحہ دلوا دیا کرتے ہیں ہم
ہے اثر اتنا ہی یاد حضرت بغداد کا

آج تک ہے ایک کنعانی سے شہرت مصر کی
فیض سے حسرت کے ہوگا نام شیخن آباد کا

ہو گئے جوہرؔ یہ کیسے بندۂ دامِ فریب
شور سنتے تھے بہت ہم "حسرتِ آزاد" کا



ہے رشک کیوں یہ ہم کو سرِ دار دیکھ کر
دیتے ہیں بادہ ظرفِ قدح خوار دیکھ کر

خو کردہ ہیں ازل سے تجلی طور کے
جھپکے گی آنکھ کیا تری تلوار دیکھ کر

آساں پسندیوں سے ہیں بیزار اہلِ عشق
چھانٹا یہ مرحلہ بھی ہے دشوار دیکھ کر

بن جائے گا یہ رشتۂ تسبیح ایک دن
دھوکا نہ کھائیو کہیں زنّار دیکھ کر

اس شانِ امتیاز کو دیکھو کہ اہلِ کفر
مومن سمجھ رہے ہیں ہمیں خوار دیکھ کر

سلہ ہم مرشد کی اہلِ وطن کا نشان مرتبہ

جنسِ گراں تو تھی نہیں کوئی مگر یہ جان
لائے ہیں ہم بھی رونقِ بازار دیکھ کر

تیرِ نگہ نے کر دیا دونوں کا فیصلہ
باہم دل و جگر میں یہ تکرار دیکھ کر

یہ کیا کہ سجدہ گاہ ہے ہر سنگِ آستاں
گھسنا جبیں کو خانۂ خمار دیکھ کر

کچھ بھی تو ضبطِ گریہ نہ شبنم سے ہو سکا
بلبل کو فصلِ گل میں گرفتار دیکھ کر

ہم خاصگانِ اہلِ نظر اور یہ قتلِ عام
جور و ستم بھی کر تو ستمگار دیکھ کر

ہر سینہ آج ہے ترے پیکاں کا منتظر
ہو انتخاب اے نگہِ یار دیکھ کر

یادِ وطن نہ آئے ہمیں کیوں وطن سے دور

باقی نہیں ہے بوئے چمن کیا چمن سے دور

مستئ الست کہاں اور ہوش کہاں

طرزِ وفائے غیر ہے اپنے چمن سے دور

گر بوئے گل نہیں نہ سہی یادِ گل تو ہے

صیاد لاکھ رکھے قفس کو چمن سے دور

کچھ بھی وہاں نہ خنجرِ قاتل کا بس چلا

روحِ شہید رہتی ہے نقش و کفن سے دور

تقوے کے بعد خوف کہاں حزن پھر کہاں

عالم ہی اک جدا ہے وہ رنج و محن سے دور

واعظ کا ارتداد نہ میرا ہے ترک کفر

کچھ بھی نہیں ہے ساقئ توبہ شکن سے دور

پاداشِ جرمِ عشق سے کب تک مفر بھلا

مانا کہ تم رہا کئے دار و رسن سے دور

ہے بُعدِ کربلا سے بھی قربِ یزید بھی
اور چاہتے ہیں یہ کہ نہ ہوں خلق سے دور

یوں بیچ سکو میں اہلِ تماشے تو ہاں
مارو دیارِ غیر میں ہم کو وطن سے دور

آساں نہ تھا لقبِ شیریں تو کب ہوا
تیشہ کو کوئی رکھ نہ سکا کوہکن سے دور

مسلم اجل سے دور نہیں روزِ کربلا
رہتا نہیں برات میں دولہا دلہن سے دور

منقارِ عندلیب کو صیاد سی چکا
مانا کہ گوشِ گُل ہے لبِ نالہ زن سے دور

اللہ رے نورِ چشمِ محبت کی جستجو
نکلا اسیرِ مصر نہ کچھ بھی وطن سے دور

ہم تک جو دورِ جام پھر آئے تو کیا عجب
یہ بھی نہیں ہے گردشِ چرخِ کہن سے دور

مفتیِ مُفت خوار کو سب کچھ حلال ہے
بوئے شراب شرک ہو پھر کیوں دہن سے دور

دستِ دراز کو ترے اے رندِ باصفا
رکھے خُدا عمامۂ شیخِ زمن سے دور

تاویل پڑھ کے اقرب للکفر ہو گئی
کچھ بھی نہیں ہے شیخ ترے علم و فن سے دور

ہیں اپنے لات و شوق پہ مرعوبِ حُسن بھی
یہ طائفہ عجیب ہے اِک مرد و زن سے دور

تم تو ہو نذرِ عشق نہ لکھیں وہ مرثیہ
یہ بات ہے مروتِ اہلِ سخن سے دور

تم سے بعید تھا کہ بھلا دو اگرچہ ہم
اِک عمر ہو گئی کہ ہوئے انجمن سے دور

شاید کہ آج حسرتِ جوہر نکل گئی
اک لاش تھی پڑی ہوئی گور و کفن سے دور

ہر رنگ میں راضی بہ رضا ہو تو مزا دیکھ
دُنیا ہی میں بیٹھے ہوئے جنّت کی فضا دیکھ

ہے سُنّتِ اربابِ وفا صبر و توکّل
چھوٹے نہ کہیں ہاتھ سے دامانِ رضا دیکھ

دشتِ رہِ غربت میں اکیلا تو نہیں تو!
لیلیٰ کے مہاجر کا تو نقشِ کفِ پا دیکھ

تو طیرِ ابابیل سے ہرگز نہیں کمزور
بیچارگی پہ اپنی نہ جا شانِ خدا دیکھ

اس طرح کے جینے میں بھی مرنے کا مزا ہے
قسمت میں یہی ہے کہ ابھی راہ قضا دیکھ

ہم کہہ نہیں سکتے وہ کریں چارہ گری بھی
حالِ دلِ بیمار طبیبوں کو سُنا دیکھ

اللہ کے بانکوں کا بھی ہے رنگ نرالا
اس سادگی پہ شوخیٔ خونِ شہدا دیکھ

یہ نور خدا کا ہے سمجھائے نہ سمجھے گا
کچھ دم ہے اگر تجھ میں تو آ تو بھی سمجھا دیکھ

سمجھا بھی ہے کچھ تو کہ یہ ہے کس سے تمرد
اللہ کو مان اپنی حقیقت کو ذرا دیکھ

ہوں لاکھ نظر بند دعا بند نہیں ہے
اللہ کے بندوں کو نہ اس درجہ ستا دیکھ

ہو حسن طلب لاکھ مگر کچھ نہیں ملتا
ہو صدق طلب پھر اثر آہ رسا دیکھ

جو تیری دو روزہ سرا یہاں سے ہے اول
پابند جفا تو ہے تو میری بھی وفا دیکھ

عقبیٰ تو کہاں واں نہیں دنیا کا بھی کچھ ٹھیک
اس کا فریبے فیض سے دل تو بھی لگا دیکھ

سو لے گا نہیں وقت یہ ہشیار ہو غافل
رنگ فلک پیر زمانہ کی ہوا دیکھ

تشنہ لب ہوں مدتوں سے دیکھئے
کب درِ مے خانۂ کوثر کھلے

طاقتِ پرواز ہی جب کھو چکے
پھر ہوا کیا گر ہوئے بھی پر کھلے

چاک کر سینہ کو پھر تو چیر ڈال
یوں ہی کچھ حالِ دلِ مضطر کھلے

رات تلچھٹ تک نہ چھوڑی تب کہیں
رازہائے بادہ و ساغر کھلے

لو وہ آ پہونچا جنوں کا قافلہ
پاؤں زخمی، خاک منہ پر، سر کھلے

ہوں جو کثرت ہی کے قائل ان پہ کیا
رازِ فتحِ سبطِ پیغمبر کھلے

رونمائی کے لئے لایا ہوں جان
اب تو شاید چہرۂ انور کھلے

اب تو کشتی کے موافق ہے ہوا
ناخدا کیا دیر ہے لنگر کھلے

یہ نظر بندی تو نکلی ردِ سحر
دیدہ ہائے ہوش اب جا کر کھلے

اب کہیں ٹوٹا ہے باطل کا طلسم
حق کے عقدے اب کہیں ہم پر کھلے

اب ہوا ہے ماسوا کا پردہ فاش
معرفت کے اب کہیں دفتر کھلے

فیض سے تیرے ہی اے قیدِ فرنگ
بال و پر نکلے قفس کے در کھلے

جیتے جی تو کچھ نہ دکھلایا مگر
مر کے جوہرؔ آپ کے جوہر کھلے

خاک جینا ہے اگر موت سے ڈرنا ہے یہی

ہوسِ زیست ہو اس درجہ تو مرنا ہے یہی

قلزمِ عشق میں ہیں نفع و سلامت دونوں

اس میں ڈوبے بھی تو کیا پار اترنا ہے یہی

قیدِ گیسو سے بھلا کون رہے گا آزاد

تیری زلفوں کا جو شانوں پہ بکھرنا ہے یہی

اے اجل تجھ سے بھی کیا خاک رہیگی اُمید

وعدہ کرکے جو ترا روز مکرنا ہے یہی

اے ازل تجھ سے بھی کیا خاک رہیگی اُمید

ہے کفن سرخ شہیدوں کا سنورنا ہے یہی

حد ہے پستی کی کہ پستی کو بلندی جانا

اب بھی احساس ہو اس کا تو ابھرنا ہے یہی

تجھ سے کیا صبح تلک ساتھ نبھیگا اے عمر

شب فرقت کی جو گھڑیوں کا گزرنا ہے یہی

ہو نہ مایوس کہ ہے فتح کی تقریب شکست
قلب مومن کا مری جان نکھرنا ہے یہی

نقدِ جاں نذر کرو سوچتے کیا ہو جوہر
کام کرنے کا یہی ہے تمہیں کرنا ہے یہی

تم یوں ہی سمجھنا کہ فنا میرے لئے ہے
پر غیب سے سامانِ بقا میرے لئے ہے

پیغام ملا تھا جو حسینؑ ابنِ علیؓ کو
خوش ہوں وہی پیغامِ قضا میرے لئے ہے

یہ حور بہشتی کی طرف سے ہے بلاوا
لبیک اِک مقتل کا صلا میرے لئے ہے

کیوں جان نہ دوں غم میں ترے جبکہ ابھی سے
ماتم یہ زمانے میں بپا میرے لئے ہے

میں کھو کے تری راہ میں سب دولت دُنیا
سمجھا کہ کچھ اس سے بھی سوا میرے لئے ہے

توحید تو یہ ہے کہ خدا حشر میں کہدے
یہ بندہ دو عالم سے خفا میرے لئے ہے

سُرخی میں نہیں دست حِنا بستہ بھی کچھ کم
پر شوخیِ خونِ شُہدا میرے لئے ہے

واصل ہوں مسلمان بصد نعرۂ تکبیر
جو قافلہ یہ بانگِ درا میرے لئے ہے

نظام کا عقبیٰ کے تو کیا پوچھنا لیکن
دنیا میں بھی ایماں کا صلہ میرے لئے ہے

کیوں ایسے نبی پر نہ فدا ہوں کہ جو فرمائے
اچھے تو سبھی کے ہیں بُرا میرے لئے ہے

اے شافعِ محشر جو کرے تو نہ شفاعت
پھر کون وہاں تیرے سوا میرے لئے ہے

اللہ کے سنے ہی میں موت آئے مسیحا

اکسیر یہی ایک دوا میرے لیئے ہے

اے چارہ گرو چارہ گری کی نہیں حاجت

یہ درد ہی داروئے شفا میرے لیئے ہے

کیا ڈر ہے جو ہو ساری خدائی بھی مخالف

کافی ہے اگر ایک خدا میرے لئے ہے

جو صحبتِ اغیار میں اس درجہ ہو بیباک

اُس شوخ کی سب شرم و حیا میرے لیئے ہے

ہے ظلم بہت عام ترا پھر بھی ستمگر

مخصوص یہ اندازِ جفا میرے لیئے ہے

ہیں یوں تو فدا ابرِ سیہ پر سبھی میکش

پر آج کی گھنگھور گھٹا میرے لیئے ہے

سینہ ہمارا فگار دیکھئے کب تک رہے
چشم یہ خوں نابہ بار دیکھئے کب تک رہے

ہم نے یہ مانا کہ یاس کفر سے کمتر نہیں
پھر بھی ترا انتظار دیکھئے کب تک رہے

اُمتِ احمدؐ کو ہے فضل کی تیرے اُمید
فضل کی اُمیدوار دیکھئے کب تک رہے

عشق سے وہ ترا صبر طلب ہے بہت
صبر ہمارا شعار دیکھئے کب تک رہے

سب کو یہاں ہے فنا اک تجھے ہے بقا
یہ ستمِ روزگار دیکھئے کب تک رہے

حق کی کمک ایک دن آ ہی رہیگی ولے
گرد میں پنہاں سوار دیکھئے کب تک رہے

یوں تو ہے ہر سو عیاں آمدِ فصلِ خزاں
جور و جفا کی بہار دیکھئے کب تک رہے

دین پہ دنیا فدا کرتے رہے مدتوں
کفر پہ ایماں نثار دیکھئے کب تک رہے

رونق دہلی پہ رشک تھا کبھی جنت کو بھی
پھر بھی یہ اجڑا دیار دیکھئے کب تک رہے

پہلے رہا دربدر دل مونس جاں مدتوں
دردِ جگر اب کی بار دیکھئے کب تک رہے

زور کا پہلے ہی دن نشہ ہرن ہو گیا
رحم کا باقی خمار دیکھئے کب تک رہے

ماتم شبیر ہے آمد مہدی تلک
قوم بھی سوگوار دیکھئے کب تک رہے

یہ جور نرالا یہ جفا اور ہی کچھ ہے
یہ ظلم نہیں نام ستم اور ہی کچھ ہے

ہوں لائقِ تعزیر یہ الزام ہے جھوٹا

ملزم تو ہوں بے شک پہ خطا اور ہی کچھ ہے

ہو کر نہ فدا لاکھ شعارِ اہلِ ہوس کا

پیشہ وہ اخوانِ صفا اور ہی کچھ ہے

سرکش نہیں باغی نہیں غدار نہیں ہم

پر ہم پہ تقاضائے وفا اور ہی کچھ ہے

ہم عشقِ دو روزہ کے بھی منکر نہیں لیکن

اپنے لئے تقریب و ولا اور ہی کچھ ہے

خود خضر کو تقدیر کی اک تشنہ لبی ہے

معلوم ہوا آبِ بقا اور ہی کچھ ہے

ہم نے بھی سنے ہیں بہت احباب کے شکوے

پر قاعدۂ صبر و رضا اور ہی کچھ ہے

تا حشر میں کچھ ہجر نہیں یہ تو بتا دو

ہے منظرِ وصل بھی یا اور ہی کچھ ہے

احباب کو ہو لذتِ آغاز مبارک
انجامِ محبت میں مزا اور ہی کچھ ہے

کرنا نہ کبھی ان پہ گماں اہلِ ہوس کا
عشاق کی نیت بخدا اور ہی کچھ ہے

نے سائلِ دولت ہیں نہ عزت کے طلبگار
اس در کے فقیروں کی صدا اور ہی کچھ ہے

اس شانِ تمرد سے نہ کھانا کہیں دھوکا
اللہ کے مجرم کی سزا اور ہی کچھ ہے

یوں قید سے چھٹنے کی خوشی کس کو نہ ہو گی
پر تیرے اسیروں کی دعا اور ہی کچھ ہے

یہ صدر نشینی ہو مبارک تجھے جوہر
لیکن صلۂ روزِ جزا اور ہی کچھ ہے

فصلِ گل کے منتظر تھے سبھی، پر اے چرخ
کیا ضروری تھا کہ اک مرغ گرفتار بھی ہو

عشقِ مجنوں کے لئے ناقۂ لیلیٰ کے سوا
شرط یہ بھی ہے کہ اک وادیٔ پرخار بھی ہو

دست و پا بستہ ہوں، سائل ہوں یدُ اللّٰہی کا
اس کی حاجت نہیں پھر ہاتھ میں تلوار بھی ہو

تشنہ کاموں سے ہے خود آج یہ ساقی کو گلہ
ہم تو ہیں پر کوئی اس مے کا طلبگار بھی ہو

یہ بھی کیا پیرویٔ حق ہے کہ خاموش ہیں سب
ہاں انا الحق بھی ہو منصور بھی ہو، دار بھی ہو

جاں فروشی کے لیئے ہم تو ہیں تیار مگر
کوئی اس جنسِ گرامی کا خریدار بھی ہو

وداع رمضاں

الوداع اے ماہِ رمضاں الوداع
بہترین غمگساراں الوداع

تجھ میں اترا آخری پیغامِ حق
تو ہی تھا شانِ قرآں الوداع

ان دنوں تھا بحرِ رحمت جوش پر
اے زمانِ عفوِ عصیاں الوداع

الفراق اے مجلسِ صائمین
مونسِ شب زندہ داراں الوداع

آشکارا تجھ پہ تھا سب رازِ دل
پردہ دارِ دردِ پنہاں الوداع

تجھ سے تھیں وابستہ امیدیں تمام
داغ صد یاس و حرماں الوداع

قیدِ تنہائی کی رونق تجھ سے تھی
اے شریکِ بزم زنداں الوداع

غنچہ ہائے دل شگفتہ تجھ سے تھے
اے بہارِ باغِ ایماں الوداع

دور کردی تو نے ظلمت قید کی
تجھ سے ہر شب تھا چراغاں الوداع

ہوتے ہیں اب رخصت افطار و سحر
میزبانیہائے مہماں الوداع

سونپنا تھا تجھ کو زادِ آخرت
ہو سکا پر کچھ نہ ساماں الوداع

کاروانِ خیر و برکت چل دیا
رہ گئے سب دل میں ارماں الوداع

شدّتِ غم سے زباں گرہ بند ہے
تو ہی کہہ دے چشمِ گریاں الوداع

اللہ نے بڑھائی ہے کیا شانِ کلکتہ
روحِ رسول آج ہے مہمانِ کلکتہ

یثرب کی خاکِ پاک کے ہر ذرّہ کے لئے
سو جان سے فدا ہیں غلامانِ کلکتہ

ہر سو ہیں لاشہ ہائے شہیدانِ سرخ پوش
ہے آج گل بہار یہ ایوانِ کلکتہ

تھا چونکہ خارِ راہ سے بے خوف اس لئے
پھولوں سے بھر دیا گیا دامانِ کلکتہ

ہے شور آسمان و زمیں پر ہٹو بچو
ہیں نازیانِ خلد شہیدانِ کلکتہ

اب تک دلوں میں تازہ ہے خالق کی یاد
البتہ استوار ہے پیمانِ کلکتہ

ہو زورِ کفر و شرک سے مرعوب کس لیئے
اللہ خود ہے جب کہ نگہبانِ کلکتہ

پہلے سے بڑھ کے آج ہی یہ پلٹے تختِ ہند
کل ملک کی سر آنکھوں پہ فرمانِ کلکتہ

ہے امتحانِ منافق و مومن کا دوستو
میزانِ حشر بن گئی میزانِ کلکتہ

سب جلد تر شریکِ صلوٰۃ و فلاح ہوں
سن لی ہے آپ ہر ایک نے آذانِ کلکتہ

احسان کی جزا نہیں احسان کے سوا!
اُترے گا سر کے ساتھ ہی احسانِ کلکتہ

ہم سنتِ خلیل کے پابند ہوں تو کیوں
پھولے نہ آگ ہی میں گلستانِ کلکتہ

تقلیدِ اہل بیت کریں ہم تو کیا عجب!
میدانِ کربلا نے میدانِ کلکتہ

مسرور خلد میں ہیں شہیدان کانپور
ہوں گے شریک بزم شہیدان کلکتہ

شبلی سا شخص تو صرف کانپور ہی تھا
لاریب آج تھا وہی شایان کلکتہ

دنیا سے اٹھ گیا مگر اب امتیاز شعر
جوہر سا شخص اور ہو شناخوان کلکتہ

لیکن ہے اک خفیف سی نسبت سے کچھ امید
میں بھی کبھی تھا ایک مسلمان کلکتہ

آغاز کلکتہ تو میسر ہوا صفدر
یارب کہیں نصیب ہو پایان کلکتہ

استعانت بالصبر

کلمۂ حق ہے اگر وردِ زبانِ دہلی
مٹ سکے گا نہ کبھی نام و نشانِ دہلی

لب پہ آئے نہ کبھی شکوۂ جورِ اغیار
ہو زمانے سے الگ طرزِ فغانِ دہلی

للہ الحمد کشادہ ہے رہِ صبر و صلوٰۃ
ہو کے بےخوف بڑھیں رہروانِ دہلی

سر فروشی کے لیے پیر و جواں ہیں تیار
آج رونق پہ ہے کس درجہ دکانِ دہلی

سنگریزوں سے زیادہ نہیں گولی چھرّے
یوں رکے گا نہ کبھی سیلِ روانِ دہلی

حق کے آتے ہی ہوا کعبہ سے باطل رخصت
چند دن اور رہیں گے یہ بتانِ دہلی

ہائے غلام حسینؓ

ابھی عمر [illegible] تھا غلام حسینؓ
کوئی دن اور بھی جیتے ہوتے

کچھ تو انعامِ حق پرستی کے
ہم غریبوں سے بھی لئے ہوتے

اے مرے رند بادۂ حق کے
ابھی دو چار خم پیئے ہوتے

تم تو دل بھی فگار کر کے چلے
زخم ہائے جگر سیئے ہوتے

یوں نہ دامن چھڑا کے چل دیتے
تم اگر اس بزم کے لئے ہوتے

تم کو ایسا ہی تھا اگر جانا
چند لمحے البدل سے بیٹھے ہوتے

تھی شہادت کی کیسی قدر جلدی
کام کچھ اور بھی کئے ہوتے

خوب کھلا بہشت کا رستہ
ساتھ ہم کو بھی گر لئے ہوتے

تم ہی زندہ ہو لغو ہے یہ خیال
چند دن اور بھی ہنستے ہوتے

آج جو سر پہ ہیں دل کے قاش قاش
کاش کچھ اور قافیے ہوتے

کلام جدید

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الٰہی شکر تیرا، پھر یہ صیام آیا
یہ صیام نہیں عید کا پیام آیا
ہزار ماہ سے بہتر ہے ایک رات اس کی
اسی مہینے میں اللہ کا کلام آیا
گھڑی وہ کیسی مبارک تھی کل جہاں کیلئے
حرا میں عرش سے اقراء کا جب پیام آیا
جب اپنی پوری جوانی پہ آگئی دنیا
تو زندگی کے لئے آخری نظام آیا
میں اس پہ بھیجوں درود و سلام کس منہ سے
کہ جس کے نام خود اللہ کا سلام آیا
ہے زندگی تو اسی کی جو مر مٹا دیں پہ
وہی ہے کام کا اسلام کے جو کام آیا

ہو نفخ صور تمہارے لیے صدائے رحیل
ہوں جاں بلب بھی تو کہہ دو ابھی غلام آیا

نبیؐ سے ملتے ہی اسلام کا سپر تھا وہ ہی
جو بن کے کفر کی شمشیر بے نیام آیا

لاکھ حربے ہیں ہر وضع کے شیطان کے پاس
ڈھال ایمان کی موجود ہو انسان کے پاس

ملک سمجھو لٹے پامال، بچا ہے اک دین
اب تو بس ایک ہی دولت ہے مسلمان کے پاس

لگتے ہی تیر تمہارا گئی یوں جان نکل
بیٹھ کر جاتی گھڑی دو گھڑی مہمان کے پاس

آدمیت ہے تو بنیاد ہے ہر خوبی کی
ہو نہ یہ بھی تو دھرا کیا ہے پھر انسان کے پاس

صحبت یار ہے اے دل تجھے گھر بیٹھے نصیب
پھر ترا کام ہے کیا جانے دربان کے پاس

خواہشیں نفس کی کرتے تو ہو پوری لیکن
اس سے بہتر نہیں آ کے کوئی شیطان کے پاس

ہم نے دل بھر کے کچھ اس طرح نکالے ارماں
کہ بھٹکتا نہیں دل جا کے اب ارمان کے پاس

مت سمجھنا انھیں کم مایہ غنی ہیں یہ لوگ
گنج مخفی ہے ہر اک صاحبِ ایمان کے پاس

جبہ سائی کی بھی کچھ ہوگی تمہیں کو امید
گالیاں کھاتے نہ جا جا کے جو دربان کے پاس

کیا ڈھونڈتے ہو فصلِ خزاں میں بہار کو
اب وہ چمن کہاں ہے وہ رنگِ چمن کہاں

کشتوں کو تیرے کس نے کیا ہے سپردِ خاک
اِن میّتوں کے واسطے گور و کفن کہاں

سُنتے ہیں یہ بھی ایک بزرگوں کی رسم تھی
اس دورِ اعتدال میں دار و رسن کہاں

سُن لیجیے خلوتوں میں اناالحق کا ادّعا
سولی پہ چڑھ سنائے وہ اب نعرہ زن کہاں

فرصت کسے خوشامدِ شمر و یزید سے
اب ادّعائے پیرویِ پنجتن کہاں

تنہائی کے سب دن ہیں تنہائی کی سب راتیں
اب ہونے لگیں اُن سے خلوت میں ملاقاتیں
ہر آن تسلّی ہے ہر لحظہ تشفّی ہے
ہر وقت ہے دلجوئی ہر دم ہیں مداراتیں

کوثر کے تقاضے ہیں تسنیم کے وعدے ہیں
ہر روز یہی چرچے ہر رات یہی باتیں
معراج کی سی حاصل سجدوں میں ہے کیفیت
اک فاسق و فاجر میں اور ایسی کراماتیں
بے مایہ سہی لیکن شاید وہ بلا بھیجیں
بھیجی ہیں درودوں کی کچھ میں نے بھی سوغاتیں
شیطان کی چالوں سے اب ہو گئے سب واقف
اب ہونگی الم نشرح ملعون کی سب گھاتیں
بیٹھا ہوں اتو بہ کی توخیر منا یا کر
ملتیں نہیں یوں جو ہر اہل دل کی برساتیں

ساز بھی چاہیئے کچھ اپنے اُتارو دم ذبح
رقص بسمل ہے تو زنجیر کی جھنکار بھی ہو

کم سمجھتے ہیں غلامی کو جو یہ سمجھے ہیں
بُت پرستی کا نشاں دوش پہ زنّار بھی ہو
بت پرستی کا نشاں طوقِ غلامی کم ہے
کیا ضروری ہے کہ قشقہ بھی ہو زنّار بھی ہو
رہے آزاد جو رہتا ہو تمہیں کیا جوہر
تم تو زندانیٔ الفت ہو، گرفتار بھی ہو

تمہارے فضل کے بھوکے یقین یہ کہتے ہیں
کہ عید آئے گی بے شک مہِ صیام کے بعد
ستم سے کچھ نہ ہوا، اب کھلا ستمگر پر
ابھی کچھ اور بھی باقی ہے قتلِ عام کے بعد
زمیں سے چھوٹ گئے جبریل بھی قیامت تک
کہ وحی بند ہوئی سیدالانام کے بعد

تمہیں کرو نہ تسلیم پہلے خم ہے قتل
کہ سر جھکاتے ہیں سب مقتدی امام کے بعد

سوزِ دروں سے جل بجھو لیکن دھواں نہ ہو
ہے دردِ دل کی شرط کہ لب پر فغاں نہ ہو

پھر ہو رہا ہے شور صلائے نبردِ عشق
ہاں لے دہانِ زخم جواب الاماں نہ ہو

بازارِ جاں فروش میں سودا نہ ہو یہ کیا
گاہک ملے تو جنس تو یہ بھی گراں نہ ہو

اس دردِ لاجواب کی کیونکر کروں دوا
وہ حالِ دلنشیں کہ بھی تو مجھ سے بیاں نہ ہو

کیا فائدہ گر اس نے چھپایا بھی دردِ دل
یہ کام جب ہے کہ ہو خونچکاں نہ ہو

کیا لیجے چمن کے مائدۂ دل کو لخت لخت
تیرا ہی تیر سینے میں جب میہماں نہ ہو

خوف رقیب کا تو یہ عالم اور اُس پہ عشق
سب چاہتے ہیں چاہ کا ان پر گماں نہ ہو

ہے وصلِ یار کی بھی تمنا کا حوصلہ
ڈر یہ بھی ہے کہ طبع عدو پر گراں نہ ہو

پہلو سے دل کو لیکے وہ کہتے ہیں ناز سے
کیا آئیں گھر میں آپ ہی جب میزباں نہ ہو

سنتے ہی جس کے خلق میں کہرام مچ گیا
جوہر وہ تیری ہی تو کہیں داستاں نہ ہو

بے خوف تیر دل کی اگر ترجماں نہ ہو
بہتر ہے اس سے یہ کہ سرے سے وہاں نہ ہو
ہول لیے ہوس، بیٹھے کہیں کسی جگہ
ڈر ہے وہاں کہ تیری شکایت بیاں نہ ہو

اک تو جو مہرباں ہو تو ہر ایک ہو مہرباں
اور یوں نہ ہو بلا سے کوئی مہرباں نہ ہو

ہم کو تو ایک تجھ سے دو عالم میں ہے غرض
سب بدگماں ہوا کریں تو بدگماں نہ ہو

دیر و حرم میں ڈھونڈ کے سب تھک گئے اسے
اب کون کہہ سکے کہ کہاں ہو کہاں نہ ہو

کرنا ہی تھا حرام تو پھر وعدہ کس لیے
یہ کیا کہ مے حلال وہاں ہو یہاں نہ ہو

ہمت نہ ہار دے کوئی منزل کے سامنے
پروردگاریوں بھی کوئی ناتواں نہ ہو

ملتے تو پھر چلے ہو مشیت پناہ سے
قشقہ کا دیکھو آج جبیں پر نشاں نہ ہو

جو پھر اس ایک دل کے لیے اتنے مشغلے
کیا سچ خدا کی چاہ تو عشق بتاں نہ ہو

اُس کو کیا خوفِ رہِ ظلمات ہے
جس کی رہبر خود خدا کی ذات ہے

نذرِ جاں دیں چل کے طیبہ اپنے پاس
اُن کے لائق اک یہی سوغات ہے

قیدِ تنہائی کا لذّت آشنا
کیسے کہہ دوں تارکِ لذّات ہے

دل سے ہوتی رہتی ہیں سرگوشیاں
اب یہی اک مشغلۂ دن رات ہے

کیا نہ ہوگی میری یہ حاجت روا
جس کا مولےٰ قاضی الحاجات ہے

تیرے بندے اُن پہ بھاری ہوں تو پھر
تیرا کیا کہنا تری کیا بات ہے

تیری رحمت پر ہو جس کا آسرا
اُس کو کیا حزنِ غمِ مافات ہے

قیدِ تنہائی میں بھی چھوڑا نہ ساتھ
نفسِ موذی بھی بڑا بدذات ہے

پرورش زینہ پرستش کا بنے
پھر تو خود عزی بھی خود لات ہے

مکر خیرالماکریں سے ہے عبث
اپنی چال اور آپ ہی کو مات ہے

بجھ تو جائے تو یہ گرمی میں مگر
سوچتا ہوں سامنے برسات ہے

اب خدا جانے ہوئی جاتی ہے خیر
ایسی بھی کیا صورت حالات ہے

لے چلے ہیں اس کی رحمت کا یقیں
اپنی تو صاحب یہی اوقات ہے

شمع ایماں کو خدا روشن رکھے
قبر میں جوہر کی پہلی رات ہے

مستحق دار کو حکم نظر بندی ملا
کیا کہوں کیسی رہائی ہوتے ہوتے رہ گئی

تم تو کعبہ کے خدا تھے پھر نکالے کیوں گئے
اے بتو کیسی خدائی ہوتے ہوتے رہ گئی

ایک ہی در کا بھکاری ہوں مجھے
اک فقط تیرا سہارا چاہیے

دشمنوں سے گر تلطف ہے تو کچھ
دوستوں سے بھی مدارا چاہیے

ہے تقاضائے جنون پردہ در
خاک اڑانا آشکارا چاہیے

ہے وہ نے فرمودۂ غالب کا پاس
ضبط کا کچھ اور یارا چاہیے

چاک مت کر جیب بے ایامِ گل
کچھ اُدھر کا بھی اشارا چاہیے

مجھ سے بیاں کبھی نہیں جاتی تباہی، کیا کروں؟
کچھ سمجھ ہی میں نہیں آتا، الٰہی، کیا کروں؟
اُس کی رحمت کو تو خود درکار ہے عذرِ گناہ
لیکن پھر زاہد کا عذرِ بے گناہی کیا کروں؟

خود ہمیں میں ہو غمِ عشق کی جوہر نہ کمی
ورنہ دنیا میں کمی کچھ نہیں غمخواروں کی

میرے لہو سے خاکِ وطن لالہ زار دیکھ
اسلام کے چمن کی خزاں میں بہار دیکھ
کیا عشقِ ناتمام کی بتلاؤں سرگذشت
وارورسن کا اور ابھی انتظار دیکھ

نہ بھائے گا تمھیں قصۂ عزیزو عیشِ رفتہ کا
یہ کیا کیجے ہمیں تو اک یہی افسانہ آتا ہے

ابھی لے دستِ وحشت مت اُلجھ چاکِ گریباں سے
یہ تھوڑی بستیاں ہیں، پھر وہی ویرانہ آتا ہے

یقیناً فصلِ گُل میں پھر نکل بھاگا ہے زنداں سے
وہی شورِ سلاسل ہے، وہی دیوانہ آتا ہے

ہم اس کی راہ میں مرنے کی دیکھتے رہے راہ
ذرا سا کام تھا وہ بھی اجل سے ہو نہ سکا

کرلے معصیت رب میں طاعتِ مخلوق
تری جفا سے، ہماری وفا سے ہو نہ سکا

پیامِ مرگ ہے پیغامِ یار و مژدۂ وصل
وہ کام اجل نے کیا جو صبا سے ہو نہ سکا

یہ فقط دو چار دن کی بات ہے
پھر وہی تو ہے وہی صحبت ولا

قید ہے قیدِ غلامی، دو برس کی قید کیا
دیکھو کب ہو خاتمہ اس قیدِ بے میعاد کا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کلام زمانۂ اسیری بیجاپور جیل

غزل

رہیگی اٹھ کے یہ اک دن نقاب دیکھو تو
ہمارے رب ہو ہمیں سے حجاب دیکھو تو

سمجھ رکھا ہے ہمیں ناتواں، پر انتا بھی
ہے ذوانتقام شدید العقاب دیکھو تو

کرو نہ فکر کہ یہ زندگی دو روزہ ہے
حلال ہو کے رہیگی شراب دیکھو تو

شفق کے آج تو تیور ہی کچھ نرالے ہیں
نہ ہو کسی کا رُخِ پُر عتاب، دیکھو تو

تمہیں مواخذۂ حشر کا یقیں نہ سہی
مگر قریب ہے یوم الحساب، دیکھو تو

بس آ چلی ہے شبِ وعدہ اب تو غم نہ کرو
ہوا ہے زرد رُخِ آفتاب، دیکھو تو

ہے قبلِ مرگ ہی اعدائے دیں کا واویلا
ابھی ہوا ہی کہاں ہے عذاب، دیکھو تو

وہ دل کو گوشت کا ٹکڑا ہی جان کر سوچیں
کہ جل نہ جائے کہیں یہ کباب، دیکھو تو

تباہ کر تو چکا اک گروہ پر کسی کو
کرے ہے تباہ نہ یہ خانہ خراب، دیکھو تو

یہ کیا کہا کہ نہیں ہم سے نیکیوں کو مفر
کسی کے پاس ہے حسنِ مآب سو دیکھو تو

بہارِ خونِ شہادت دکھا گئے جو ہنر
خزاں میں اور یہ رنگِ شباب دیکھو تو

ہم معنیٔ ہوس نہیں اے دل ہوائے دوست
راضی ہو بس اسی میں ہو جس میں رضائے دوست

طرّۂ امتیاز ہے خود ابتلائے دوست
اس کے بڑے نصیب جسے آزمائے دوست

یاں جنبشِ مژہ بھی گناہِ عظیم ہے
چپ چاپ دیکھتے رہو جو کچھ دکھلائے دوست

ملتی نہیں کسی کو سند امتحاں بغیر
دار و رسن کے حکم کو سمجھو صلائے دوست

یعقوب پر فضول ہوئے لوگ خندہ زن
یاں لامکاں سے آتی ہے بوئے قبائے دوست

کیا کم تھا ہجرِ یار ہی، پھر اس پہ رشکِ غیر
دشمن کو بھی خدا نہ کرے مبتلائے دوست

ہے روح بھی نثار، بدن بھی نثارِ یار
دل بھی فدائے دوست، جگر بھی فدائے دوست

جوہر وہ صبر آپ ہی دیگا اگر ہمیں
ہے اعتبارِ وعدۂ صبر آزمائے دوست

مطلع ثانی

چھپتی ہے کب چھپائے سے جوہر ادائے دوست
دشمن کی دشمنی ہے فقط ابتلائے دوست

دیتی تھی دادِ تشنہ لبی یوں حسینؑ کو
کوثر کا اک بہانہ تھی کربلائے دوست

کیا جائیں کوئے یار میں یوں اذنِ غیر سے
ہے انتظار دیکھئے کب تک بلائے دوست

اس نغمۂ الست کی کچھ روشنی نہ پوچھ
کانوں میں آ رہی ہے ابھی تک صدائے دوست

چھپتا نہ بزمِ غیر میں بھی رازِ دل مگر
دشمن کے آگے کون کہے ماجرائے دوست

دیر و حرم میں کرتے ہو یہ کس کی جستجو
حیرت کی جا ہے، دوستو، ہے دل میں جائے دوست

اک ہم ہیں خاکِ پا بھی میسر نہیں جنہیں
یا ایک تھے بصیری کہ پائی ردائے دوست

جائز ہے وصل و ہجر کا کیا امتیاز یاں
جو ہر جفائے غیر کو سمجھو وفائے دوست

اس دردِ لادوا کی دوا ہو تو جانیئے
دستِ مسیح میں یہ شفا ہو تو جانیئے

کہتے ہیں لوگ ہے رہِ ظلمات پر خطر
کچھ دشتِ کربلا سے سوا ہو تو جانیئے

جود و سخائے ساقیٔ کوثر کی دھوم ہے
ہم کو بھی ایک جام عطا ہو تو جانیے

مرنے کو یوں تو مرتے ہیں روز سیکڑوں
اپنے لئے پیامِ قضا ہو تو جانیے

کہتے ہیں نقدِ جاں جسے ہے عاشقوں پہ قرض
یہ قرض ہم سے جلد ادا ہو تو جانیے

ہر شے کو لے کے شکر کیا بھی تو کیا کیا
جاں دیتے وقت شکر ادا ہو تو جانیے

دیوانہ ہو جو منکرِ تہذیب ہو، مگر
وہ شستہ شیوہ دوسرا ہو تو جانیے

کٹ جائیں گے یہ دن بھی یہاں قیدِ سخت کے
کم کچھ مگر وہاں کی سزا ہو تو جانیے

بیسبزی ہے اس کی زخمِ جگر کے لئے فقط
ناخن سے وا وہ بندِ قبا ہو تو جانیے

شہد و شراب خلد میں یہ چاشنی کہاں؟
کچھ خونِ دل سے بڑھ کے مزا ہو تو جانیے
جانے کو یوں تو جاتی ہے لو عرش تک مگر
جائیں کچھ اس سے آگے رسا ہو تو جانیے
یوں منہ سے بڑبڑانے کو کہتے نہیں دعا
انجام ماسبق کی دعا ہو، تو جانیے
سچا ہے اپنا وعدہ جو ہر روز پا یقیں
وعدہ ہمیں سے اپنا وفا ہو تو جانیے

مہمانِ قفس کیا تیرے فریاد کرینگے
اتنی بھی مزا اب خاطرِ صیاد کریں گے؟
وہ حسن سے کہیں ہم تجھے دلشاد کرینگے
سمجھو کہ اسے اور بھی برباد کریں گے

جو دشت کہ آرامگہ سبطِ نبی ہے
اُس دشت کو لاکھوں ابھی آباد کریں گے

حریت کامل ہے، ولا بندگیٔ حق
وہ تجھکو غلامی ہی میں آزاد کریں گے

جو آرزوئے مرگ میں مرتے تھے وہ کشتے
کس مُنہ سے شکایت تری جلّاد کریں گے

خوش کرنیکو قاتل کے ہم اور اشک بہائیں
ہاں زخمِ جگر ہنس کے اُسے شاد کرینگے

کہہ لینے دو دل کھول کے ناصح کو نہ ٹوکو
کچھ اور بھی شاید ابھی ارشاد کریں گے

ہم جانتے ہیں لطف و عنایات کو اُن کی
ہوگا یہی کچھ اور بھی بیداد کریں گے

سب کہتے ہیں اُکتا کے مساواتِ جفا سے
وہ طرزِ ستم اور کب ایجاد کریں گے

ہیں جن کی نگاہوں میں ازل سے ترے جلوے
وہ آرزوئے جنّتِ شدّاد کریں گے؟

اے دل! تجھے کچھ یاد بھی ہے عرش کا وعدہ؟
تو یاد کر اُن کو، وہ تجھے یاد کریں گے

خارج نہ ہو گر حدِّ ادب سے تو میں پوچھوں
جوہر، ہمیں کب خوش شہِ بغداد کریں گے

گلہ اے دل! ابھی سے کرتا ہے
عشق کا دم ابھی یہ بھرتا ہے؟

جان دیتا ہے عیشِ فانی پر
بس، اسی زندگی پہ مرتا ہے

راحتِ جاوداں کو بھول گیا
کوئی دنیا میں یہ بھی کرتا ہے

عشق بن گر جیئے تو ناک جیئے
زندہ وہ ہے جو اُن پہ مرتا ہے

نام پر اُس کے سب ہوئے مٹھا
وہی اک ہے جو نام کرتا ہے!

وقفِ مومن ہے آزمائشِ عشق
اس میں پورا وہی اُترتا ہے

جس کو دنیا نے نامراد کہا
وہی ناکام کام کرتا ہے

ہے مسلماں کی بس یہی پہچان
کہ فقط اک خدا سے ڈرتا ہے

قولِ مومن ہے اُس کے فعل کی شرح
وہ جو کہتا ہے کر گزرتا ہے

مطمئن رہ ولا وہ حسانِ جہاں
وعدہ کر کے کہیں مکرتا ہے

میرے رنگِ کفن کی شوخی دیکھ
یوں ہی عاشق ترا سنورتا ہے

آج کر لے جو کر سکو کل تک
کون جیتا ہے، کون مرتا ہے

قلزمِ عشق میں گرا سو گرا
اس کا ڈوبا کہیں ابھرتا ہے؟

اس قدر اضطراب اے صیاد!
کوئی قفس میں بھی پر کترتا ہے؟

وہی لمحہ ہماری عید کا دن
جو تری یاد میں گزرتا ہے

ہے اسلام کا بھلا جو نشہ
نشہ چڑھ کر کہیں اترتا ہے

ہرا یہ شور و شیون سب درِ باغِ جناں تک ہے
فغانِ بلبلِ نالاں نہ بہارِ بے خزاں تک ہے

نہیں پالا پڑا، قاتل، تجھے ہم سخت جانوں سے
ذرا ہم بھی تو دیکھیں تیری جلادی کہاں تک ہے

تجھے ہے قوتِ بازو پہ غرہ، صبر پہ ہم کو
لگا دے زور تو سارا تری قوت جہاں تک ہے

تکبر نے سکھایا ہے تغافل گر تجھے ظالم
تو اپنی بھی پہنچ سن لے! ایکیں لامکاں تک ہے

بھلا مایوس کیونکر اس سے ہو امتِ محمدؐ کی
کہ جس نصرت کا وعدہ ہر ضعیف و ناتواں تک ہے

یہ بادل کی گرج ہر دم، یہ بجلی کی چمک پیہم
نمائش سب کی سب بلبل، یہ تیرے آشیاں تک ہے

نہیں ثابت قدم نکلے تو پھر اس کے قدم اٹھے
یہ جبر و قہر کا جادو ہمارے امتحاں تک ہے

ابھی کیا ہے؟ ابھی اے دل ہزاروں امتحاں ہونگے
ابھی تک ادّعائے ضبطِ غم تیری زباں تک ہے

غنیمت ہے اگر باقی کہیں کچھ پاسِ مذہب ہے
ہماری آبرو جو کچھ ہے اس صندلے نشاں تک ہے

اجابت کیوں نہ آئے عرش سے تا فرش اگر جوہر
دعا کا سلسلہ تیرے زمیں سے آسماں تک ہے

بیتاب کر رہی ہے تمنائے کربلا
یاد آرہا ہے بادیہ پیمائے کربلا

ہے مقتلِ حسینؑ کی اب تک وہی بہار
ہیں کس قدر شگفتہ یہ گلہائے کربلا

اس باغ میں خزاں کا نہ ہوگا گذر کبھی
کیا رنگ ہے دیکھئے ابھی دکھلائے کربلا

بنیاد جبر و قہر اشارے میں ہل گئی
ہو جائے کاش پھر وہی ایمائے کربلا

روز ازل سے ہے یہی اک مقصد حیات
جائیگا سر کے ساتھ ہی سودائے کربلا

جو راز کیمیا ہے نہاں خاک میں لئے
سمجھا ہے خوب ناصیہ فرسائے کربلا

مطلب فرات سے ہے نہ آب حیات سے
ہوں تشنۂ شہادت شیدائے کربلا

کوثر کے انتظار میں ہوں کب سے تشنہ کام
مجھ پر بھی اک نظر شہ والائے کربلا

کرنے کو یوں ہزار کریں سینہ کوبیاں
سینہ [illegible] کے واسطے تو بنائے کربلا

[illegible]
[illegible] مجھے مل جائے کربلا

دیگر

ہرگز نہ ہو اے دل غمِ جاناں کی شکایت
کرتا ہے بھلا کوئی بھی مہماں کی شکایت

آزاد تھے کب قیدِ غمِ عشق سے؟ ہم کو
زنجیر کا شکوہ ہے، نہ زنداں کی شکایت

وہ یہ نہ کہیں گے کہ تمہیں موت نہ آئی
کس منہ سے کریں ہم شبِ ہجراں کی شکایت

مشکورِ جنوں آپ ہیں وحشی ترے، اُن کو
محمل کا گلہ ہے، نہ بیاباں کی شکایت

گو صبر قیامت کا ہے درکار پر اے دل!
یاں کفر ہے اُس دشمنِ ایماں کی شکایت

جی چاہے جہاں بھیج! ہمیں تجھ سے غرض ہے
مالک کا نہ کچھ شکر، نہ رضواں کی شکایت

شرمندہ کفن نے کیا اس درجہ کہ تا حشر
اب جیب کا شکوہ ہے، نہ داماں کی شکایت

تھا اُن کے تصوّر میں بھی اک وصل کا عالم
ہو سکتی ہے پھر کیا شبِ ہجراں کی شکایت

کیوں فکر ہو؟ کیا اپنے کبھی دن نہ پھرینگے
بیکار ہے پھر گردشِ دوراں کی شکایت

لڑتا ہے ہوا سے بھی کوئی لاکھ خفا ہو!
بیجا ہے تری زلفِ پریشاں کی شکایت

ہیں عشق کے بیمار بھی دُنیا سے نرالے
ہے درد کے بدلے اُنھیں درماں کی شکایت

اُن سے نہ ستم کا نہ تغافل کا گلہ ہے
ہو جاتی ہے ہاں پاکیٔ داماں کی شکایت

منظور ہیں جب انہیں خود جلوہ دکھاتا
کیوں کیجئے پھر حاجب و درباں کی شکایت

تھا اندرا دل ہی سے دل اس جانِ جہاں کی
کرتے رہو یوں ابروؤ مژگاں کی شکایت

مہمان دل جو ہر کا بلا اذن سدھارا
پیکاں تو گیا رہ گئی پیکاں کی شکایت

عالم میں آج دھوم ہے فتحِ مبین کی
سُن لی خدا نے قیدیٔ گوشہ نشین کی

شیطان جلد باز کا جادو نہ چل سکا
تفسیر آج ہو گئی کیدِ متین کی

ایمان واقعی ہو اگر غیب پر تو پھر
بو آئے ہر اُمید سے حق الیقین کی

ہے نامِ مصطفٰے کی یہ برکت کہ پھر خدا
یوں جڑ جما رہا ہے محمدؐ کے دین کی

تیرے کرم نے اور بھی گستاخ کر دیا
اک عرض اور ہے بھی اِس کمترین کی

اک گھر ترا یہاں بھی تو ہے اُس کے پاس ہی
کب لامکاں سے ہوگی مشیت مکین کی

ہم کو بھلا عزیز نہ ہو کیوں وہاں کی خاک
نسبت ملی ہو عرش سے جس سرزمین کی

اُس آستانِ پاک پہ گھستا ہے چل کے سر
سجدوں سے اور بڑھتی ہے رفعت جبین کی

ہیں سب عرب میں، شام فلسطین اور عراق
ہے شرط جس کے واسطے صرف ایک دین کی

پھر خود خدا یہود و نصاریٰ کو دو نکال
یہ ہے وصیت اس کے رسولِ امین کی

وہ انبیا کا مولد و مدفن سپرد ہے
ختم الرسل اور اُس کے ہر اک جانشین کی

تینوں حرم ہیں اُس کے جو ہے لاشریک لہٗ
ترکیب ہے درست یہی ایک تین کی

چودہ برس جو قبلہ رہا ہے رسول کا
قیمت ہے اپنا خون اسی کی زمین کی

وہ خود ہی کہہ رہا ہے کہ مانگو مدد مگر
ایک شرط یاد رہے نستعین کی

غافل خدا کے قہر سے دیتی نہیں پناہ
سدِ سکندری ہو کہ دیوار چین کی

تعظیم لازمی تھی شہیدوں کی ورنہ یوں
اٹھتی نہ آنکھ خلد میں ہر حورِ عین کی

ہے رخشِ عمر آپ ہی منزل سے اب قریب
حاجت نہیں رکاب کی باقی نہ زین کی

کھادی کے بعد جیل کا خلعت جنہیں ملا
کرتے نہیں تمیز وہ موٹے مہین کی

ہے بدترین عذاب یہی اک شریف پر
یارب کرائیو نہ اطاعت کمین کی

کس بوالہوس سے لینے چلے تم بھی دادِ عشق
جوہر حضورِ کمظنیں نے کی قدر بین کی!

آخر کو لے کے عرش سے فتح و ظفر گئی
مظلوم کی دعا بھی کبھی بے اثر گئی
اگلی سی اب وہ زہم کی طغیانیاں کہاں؟
شب بھر میں کیا بھری ہوئی ندی اُتر گئی
عالم کا رنگ اور سے کچھ اور ہو گیا
ہم بے کسوں کی آہ عجب کام کر گئی!
ناکامیوں سے کام محبت کا بن گیا
اک دھات تھی کہ آگ میں پڑ کر نکھر گئی
جب طلعت و سعید، حلیم انور و جمال
چل دیں تو کیا جئیں کہ طبیعت ہی بھر گئی

مانا کہ یاں تک آنے کی فرصت نہیں انہیں
پوچھو تو آج موت کہاں جا کے مر گئی

اپنی ہی عمر نے نہ وفا کی، وہ کیا کریں؟
ہم ہو چکے تو اُن کو ہماری خبر گئی

بیکارگی ہوس کے چھٹے سارے مشغلے
اے دل نگاہِ یار یہ کیا سحر کر گئی

خونِ شہید و اشک یتیم اب نہیں گراں
پھر کیوں نہ قدر و قیمتِ لعل و گہر گئی

اے دورِ چرخ کب سے ہیں میخوار تشنہ لب
سُن تو سہی وہ گردشِ ساغر کدھر گئی؟

صیاد کیا ہوئی وہ تری خوئے احتیاط؟
مرغِ خیال کے نہ مرے پر کتر گئی؟

تسکیں وہ اسیرِ قفس تھا خیالِ گُل
دو چار دن میں آپ طبیعت ٹھہر گئی

اے یادِ یار تیری رفاقت رہیگی یاد
آئی تھی پاس بھی شبِ ہجراں گزر گئی

کہنے نہ پائے وصل کی شب مدعائے دل
اک داستانِ غم تھی وہی تا سحر گئی

سامانِ زیب و زینتِ تن ہو چکا بہت
کچھ روح کی سنائیے وہ بھی سنور گئی؟

کیوں شہر چھوڑ جا بسیں تنہائیوں میں ہم؟
جنوں کے ساتھ ہوں گے بیابانیوں میں ہم

آزاد بھی سبھی سے ہیں ہم ہوشیار بھی
جب سے ہیں اے جنوں ترے زندانیوں میں ہم

نادانیاں ہزار سہی، دوستو مگر
دانا بھی ہو گئے ہیں نادانیوں میں ہم

کب شوق جام درست ہے یوسف بہا مقرر
داما ہنوں میں گم ہو گریبانیوں میں ہم

محروم گوحرم سے رہے پر نہ ہے نصیب!
داخل تو آج ہو گئے قربانیوں میں ہم

ہنگامے روز روز نے گے خوگر بنا گئے
اب خوش ہیں آئے دن کی پریشانیوں میں ہم

واقف نہ تھے کشش سے زلیخا کے عشق کی
یوسف کو ڈھونڈتے رہے کنعانیوں میں ہم

تا جیم سے نہیں کچھ کم نہیں جسے
محسوس کر رہے ہیں ہیپانیوں میں ہم

گر ہے تجھے متاع قفس اس قدر عزیز
صیاد خوش ہیں تیری نگہبانیوں میں ہم

پیچھا چھڑا لیں اور اک اس نفس سے تو پھر
فارغ ہوں خوب بے سروسامانیوں میں ہم

بن بن کے روزِ وصل کے نقشے بگڑ گئے
آباد پھر بھی ہیں کہیں ویرانیوں میں ہم

شوکت کا قول ہے وہ تن و توش جب نہیں
پھر کیوں گنیں نہ اپنے کو روحانیوں میں ہم

یہ ظلم ہے کہ سب کو کریں ایک سا خیال
پاتے ہیں عقل بھی کبھی شروانیوں میں ہم

ہم زندہ دل ہیں زندہ جاوید، یا کہ خضر؟
بچوں سے اب بھی کم نہیں شیطانیوں میں ہم

جوہر نہ کیوں یہ رسمِ کہن زندہ کر چلیں
دار و رسن کے گرچہ نہوں بانیوں میں ہم

ہیں یہ انداز آزمانے کے
اور بھی ڈھنگ ہیں ستانے کے

کربلا ہے بہانۂ کوثر
جایئے صدقے اس بہانے کے

گھر چھپا لیوں کہ چھوڑنے والے
تھے نہ ہم اُس کے آستانے کے

ایک ایک کر کے سب تنکے
گئے برباد آشیانے کے

ق

کچھ دنوں گھومنا مقدر تھا
ساتھ ساتھ اپنے آب و دانے کے

دیکھیے اب یہ گردش تقدیر
کہیں آنے کے ہیں نہ جانے کے

پوچھتے کیا ہو بود و باش کا حال
ہم ہیں باشندے جیل خانے کے

قید ہیں اور اتنی بے باکی
سب یہ لچھن ہیں مار کھانے کے

سُن بھی لیتا ہے حالِ دل وہ شوخ
آتے ہوں ڈھب اگر سُنانے کے

جان کر قصّہ کچھ سُنے اوراق
جستہ جستہ مرے فسانے کے

دے کسی اور کو یہ دم قاصد
میرے گھر وہ کبھی نہ آنے کے

تیری گردش کہاں گئی اے چرخ
ہم ہیں محروم اک زمانے کے

خونِ عاشق سے سخت ہیں بیزار
ملک الموت اِس زمانے کے

زنگ آلودہ ہو گئے سارے
تھے جو آلات خوں بہانے کے

کھلتے جاتے ہیں راستے لیکن
روز دو چار جان جانے کے

تجھ سے سیکھے کوئی ستم ایجاد
طرز عشاق کے ستانے کے

کیوں ہو خوں ریز جس کو گر آئیں
عاشقوں کا لہو سکھانے کے؟

نار نمرود اک نہیں، نہ سہی
سو طریقے ہیں دل جلانے کے

یہ بگڑنا ہے سب بناوٹ کا
منتظر ہیں فقط بنانے کے

خود ہی بیٹھے ہیں یاں تو اٹھنے کو
اب گئے دن وہ ناز اٹھانے کے

چلیے سمجھا کو چھوڑیئے "ناصح"
منہ لگے آپ کس دوانے کے

اے دل! تجھی کو صبر جو پروردگار دے
تکلیف کیوں یہ کشمکش انتظار دے

بیمار کو جس کے ڈر ہو یہ وہ ناصلاحیتیں
آساں ہے اُس کے واسطے ڈوبے اُبھار دے

جینا اگر نہ چاہے تو یوں موت تک نہ دے
جینے پہ لیکن آئے تو پھر بے شمار دے

راضی ہیں جو رضائے الٰہی میں ان کو کیا
جو چاہے اُن کو گردشِ لیل و نہار دے

ہم اُس کے ہو لئے تو پھر اب اس سے کیا غرض
وہ جیت اپنی فوج کو دے یا کہ ہار دے

تا ہم کریں نہ عرض تو ناچار کیا کریں!
جب چین ہی نہ ہم کو دلِ بیقرار دے

سینچا تھا اُس کو اپنے لہو سے حسین نے
اب چاہے اس چمن کو خزاں سے بہار دے

اے حاملِ شریعت کاہل، ہے سر کی نذر
یا چاہتا ہے بوجھ ہی سر سے اُتار دے؟

تو کس خیال میں ہے؟ یہ وہ عشق ہی نہیں
اے بوالہوس جو فرصتِ بوس و کنار دے

نعلین ہی پہ ہو نہ کہیں اکتفا کلیم
اِس آستاں پہ آئے تو سر بھی اتار دے

تجھ پر مدارِ فتح ہے اے دل عدو فقط
ہے اِس لئے کہ وہ تری چاندی نکھار دے

لغزش نہ ہو جو تیرے ہی پائے ثبات کو
ہے تو ہی کامیاب رہ ایذا ہزار دے

دے نقدِ جاں تو بادہ کو ثر ابھی سے لے
ساقی کو کیا پڑی ہے کہ یہ مے اُدھار دے

کٹتی ہے شغلِ عشق میں پل بھر میں عمرِ خضر
یہ دل ہی کیا ہے قید کے اے دل گزار دے

رہرو تھا راہِ عشق کا منزل کو پا لیا
اب اور کیا نشاں مری لوحِ مزار دے

ہے رشک ایک خلق کو جوہر کی موت پر
یہ اُس کی دین ہے جسے پروردگار دے

فرق باقی گر کسی کے جیب و داماں میں تھا
وہ جنونِ ناز کیا اس کا عکس پیراہن میں تھا

بھر دیا فیضِ جنوں نے اس کا دامانِ مراد
فرق باقی کچھ نہ جس کے جیب و داماں میں تھا

تیری کوتاہی ہے اے دستِ جنوں تارِ رسا
یہ بھی کیوں اک تار باقی میرے پیراہن میں تھا

کر کے چھوڑا اوے جنونِ نارسا زنار وار
کیا یہی اک پہلے میرے پیراہن میں تھا

دستِ وحشت سے شکایت پاؤں کے چھالوں کو ہے
دل میں کھٹکا جا کے ہر وہ خار جو دامن میں تھا

جورِ گلچیں یاد رکھ قیدِ قفس کا غم نہ کر
چین کب اے بلبلِ نالاں تجھے گلشن میں تھا

زادِ تقوے تھا متاعِ کارواں ہر وقت تک
قافلہ لٹنے کا ڈر اُلٹا دلِ رہزن میں تھا

یاد آتا ہے جراحت میں بھی لطفِ خستگی
تیرے پیکاں کا مزا کچھ کچھ سرِ سوزن میں تھا

رزق تیرا خود تجھے مل جائیگا تو غم نہ کر
وہ تو رزقِ برق ہی تھا جو ترے خرمن میں تھا

عشق میں تابِ توان ہے اب نہ رنگینیِ کلفت وہ
دور ہو کر رہ گیا جو زور پہلے تن میں تھا

یوں ملی تو تھی ہی بیل الطف قفس کی تیلیاں
رات دیپک کا اثر بلبل ترے شیون میں تھا

اُس کا کعبہ جس کی جانب روز پڑھتے تھے نماز

کیا کہیں گے اُس سے کیونکر قبضۂ دشمن میں تھا؟

تجھ سے دردِ ہجر کہتا کون کس کی تھی مجال

فتنۂ صد حشر خوابیدہ تری چتون میں تھا

قاتلِ جوہر کے ہاتھوں سے نہ چھوٹا حشر تک

کس بلا کا خون ظالم کی رگِ گردن میں تھا

ہو کچھ بھی، مگر شورِ سلاسل تو نہیں یہ

جوہر کا تڑپنا دمِ بسمل تو نہیں یہ

ہے بات تو جب نزع میں تمکین رہے قائم

مقتل ہے ولا! رقص کی محفل تو نہیں یہ

معمور تقاضوں سے ہے شکووں سے ہے لبریز

جس دل پہ ہمیں ناز تھا وہ دل تو نہیں یہ

ملنے کی غنیمت ہے اب اتنی بھی رسائی

وہ پوچھ رہے ہیں کوئی سائل تو نہیں ہے

ہوں اک اسلام تو کیا، فکر ہے اُسکو

ایمان کی جانب کہیں مائل تو نہیں ہے؟

کچھ ترکِ محبت تو نہیں ضبطِ فغاں سے

ہم کرنے پہ آجائیں تو مشکل تو نہیں ہے؟

آئی نہ ہو زنداں میں خبر موسمِ گُل کی؟

سنتا تو ذرا شورِ عنادل تو نہیں ہے؟

ہے وصل کی شب بھی نہیں دل سے وہی پُرفغاں

پہلو میں پڑا رہتا ہے وہ حائل تو نہیں ہے؟

ہاں قافلہ لٹتا ہی ہے اب ہاں سے چل اے دل

تو آپ ہی کہہ دیگا کہ منزل تو نہیں ہے

جا لگنے لگے حوصلے پہ سفینہ کرنے کو ظہیر

چکا کی لٹ سے کہیں ساحل تو نہیں ہے

مجنوں ہے تو کیا عشق کا احساس بھی کھویا
جس میں تری لیلیٰ ہو وہ محمل تو نہیں ہے

عرش تک جو پہنچتا جاتا ہے یہ وہ تیر ہے
غیر سمجھا ہے کہ میری آہ بے تاثیر ہے
خود گرفتارِ وفا پر کھل چکا زنداں میں راز
جرم تھی وہ قید یہ اُس جرم کی تعزیر ہے
بے گناہی سے بھی بڑھ کر ہے اگر کوئی گناہ
تو سزائے عشقِ پاک خجلتِ تقصیر ہے
چھوڑ میری فکر غافل، رو خود اپنی قید پر
جس کو تو زیور سمجھتا ہے، وہی زنجیر ہے!
جنت و حقیقت دونوں ہی کا ہیں اس دنیا کے نام
وہ ازل سے ثبت ہو میں یہ تری تقدیر ہے
دار ہی بنتی ہے آئے دل زینۂ معراجِ عشق
خواب آغازِ محبت کی یہی تعبیر ہے

ہو نہ الجھن جیب جنوں جامہ کامل نہ ہو
جب تلک دامن ہے خارِ دشت دامنگیر ہو

ہاتھ تو ہوتے گئے قلم پر نامہ بر یہ بھی کہا؟
دل چُرا لیتی ہے پہلو سے یہ وہ تحریر ہے

پائداری میں ہیں قصروں سے سوا کچی سی قبر
جو قیامت تک رہے قائم یہ وہ تعمیر ہے

خونِ ناحق کا کسی کے شبہ اور تم پر؟ مگر
سینۂ جوہر میں دیکھو تو یہ کس کا تیر ہے

مطلع ثانی

قید ہے، جوہر کہ بیجاپور کی تسخیر ہے؟
گولکنڈے بھی جو جا پہنچے تو عالمگیر ہے؟

اے مسیحا، اس مرض سے کون پائیگا شفا
دار پر موت آئے اس کی بھی کوئی تدبیر ہے

اے مسلماں تو تو مسجودِ ملائک تھا کبھی
پھر یہ شیطاں کی غلامی کیوں تری تقدیر ہے؟

کیا نہیں واقف ابھی اسلام کی تاریخ سے؟
انّ مع العسر یسرا ہی کی سب تفسیر ہے

ہو محمدؐ کیوں نہ قرآں اور بھی ہم کو عزیز؟
اُس میں خود تیری جو جیتی جاگتی تصویر ہے

دین میں اکراہ کیسا؟ ہاں برائے حفظ دیں
دل میں قرآں ہی ہمارے ہاتھ میں شمشیر ہے

لیس للانسان الا ما سعیٰ کو یاد رکھ
کر توکل پھر تری تدبیر ہی تقدیر ہے

یاالٰہی طوقِ لعنت ہو نہ گردن میں وہاں
غم نہیں گر یاں ہمارے پاؤں میں زنجیر ہے

سحر کاری سوزِ دل کی داد پائی ہے زباں!
سب یہی کہتے ہیں کیا جادو بھری تقریر ہے

حیف جو ٹھہرا سوا اسے اور یہ بیم و رجا؟
جو کبھی بخشی نہ جائے گی یہ وہ تقصیر

نہ اُڑ جائیں کہیں قیدی قفس کے
ذرا پر باندھنا صیّاد کس کے

نشانِ آشیاں کیا جس چمن میں
لگے ہوں ڈھیر ہر سو خار و خس کے

ملے اک خُم تو میخانے سے ساقی!
کہ ہم چھوٹے ہوئے ہیں نو برس کے

گراں ہو اب تو شاید سیرِ گُل بھی
کچھ ایسے ہو گئے خوگر قفس کے

ملی ہے قید آزادی کی خاطر
نہ پڑ جائیں کہیں دونوں کے چسکے

جو رہنا چاہے بندِ غم سے آزاد
پھنسے پھندے میں کیوں تارِ نفس کے

مے کہنہ ملے گی مسجدوں میں
پہ خمخانے ہیں تیرہ سو برس کے

فرشتوں نے کیا ہے اُن کو سجدہ
نہیں لے پت یہ بندے تیرے بس کے

جو کھو بیٹھا متاعِ عزتِ نفس
برابر ہو گیا مورد مگس کے

ملے آبِ رنگینی کب جامِ کوثر؟
یہاں تو رہ گئے مبلغ ترس کے

گھٹیں کیا حبِّ ملک و عشقِ مذہب؟
ہیں لٹتے یہ بھی کیا چانڈو چرس کے

جو سچ ہے وعدہ حجودی تو یہ بھی
کھلے گا ایک نہ اک دن خود برس کے

نہیں باقی رہا جب پاس آئین
مٹے سب تفرقے دزد و عسس کے

چمن تو ہم نے خود چھوڑا ہے گلچیں
گلے پھر کیا کریں قید قفس کے؟

گیا اتنے میں اک تارِ نفس ٹوٹ
تھے جو ہر منتظر اک ہمنفس کے

جنوں ہی سے نہ گر بالکل دلِ دیوانہ خالی ہو
نہ نالوں کا اثر سے نعرۂ مستانہ خالی ہو

اثر سے گر کسی کا نعرۂ مستانہ خالی ہے
تو پھر سمجھو جنوں سے بھی دلِ دیوانہ خالی ہے

مروت سے تری ہم بیکسوں کی شرم رہ جاتی
بھری محفل میں ساقی اک یہی پیمانہ خالی ہے

وہ اچھا ہی سہی پر اب تو دل لگتا نہیں ہیں میں
جو ذکر عشق و درد و ہجر سے افسانہ خالی ہے

یہ حالت ہو گئی ہی اک ساقی کے نہ ہونے سے

کہ خم کے خم بھرے ہیں مے سے اور میخانہ خالی ہی

ہماری خاک کو کیا خاک ڈھانکیگا کہ خود تجھ سی

ابھی اے کوئے الفت سبزہ بیگانہ خالی ہی

دلا ڈر ہے کہیں کعبہ پہنچکر تو نہ کہہ بیٹھے

کہ واپس چل یہاں سے اب تو یہ بتخانہ خالی ہی

تری محفل میں ہے یوں یک بیک اک بھیڑ کے قربانہ

مگر افسوس جائے عاشق دیوانہ خالی ہے

ہمیں ذوقِ اسیری چھوڑتا ہے کب گلستاں میں؟

قفس میں جب تلک اے صیاد کوئی خانہ خالی ہی

یہ مانا ہم نے جو ہر شہر چھوڑا پر کہاں جائیں

وہ تیرے دم سے تھا آباد اب ویرانہ خالی ہے

دیگر

قید اور قید بھی تنہائی کی
شرم رہ جائے شکیبائی کی

سوجھتا کیا ہمیں ان آنکھوں سے
شرط تھی قلب کی بینائی کی

در بت خانہ سے بڑھنے ہی پائے
گرچہ اک عمر جبیں سائی کی

قیس کو ناقۂ لیلیٰ نہ ملا
گو بہت بادیہ پیمائی کی

ہم نے ہر ذرہ کو محمل پایا
ہے یہ قیمت ترے صحرائی کی

وقف ہو اس کے لئے جان عزیز
کعبہ کے خادم و شیدائی کی

کعبہ و قدس میں گھر کیا یہ بھی
اک ادا ہے مرے ہرجائی کی

نظر آیا ہمیں ہر چیز میں تو
اس پہ یہ دھوم ہے یکتائی کی

عشق اور جور ستمگر کا گلہ
حد ہے اے دل یہی رسوائی کی

عقل کو ہم نے کیا نذر جنوں
عمر بھر میں یہی دانائی کی

کر گئی زندۂ جاوید ہمیں
تیغ قاتل نے مسیحائی کی

ہو نہ تقلید دلا مقتل میں
کہیں موسیٰ سے تمنائی کی

نہ سہی تیغ تجلی ہی سہی
آنکھ جھپکے نہ تماشائی کی

کل کو ہے پھر وہی زنداں جو ہے سر
ٹھیک کیا آپ سے سودائی کی

ہے یہاں نام عشق کا لیتا
اپنے پیچھے بلا لگا لیتا

شرط تحریر پہلے سن لے پھر
خامے کو ہاتھ میں دلا دیتا

نامۂ شوق اُن کو شوق سے لکھ
غیر کو بھی مگر دکھا لیتا

کل کو بوسے کے واسطے بھی ضرور
شرط ہو گی کسے جتا لیتا

اگر آئے طبیب گر کہیں
دوست تھا ہم کو بھی بلا لیتا

ہے جو مومن تو بھول کر بھی وِلا
نہ کبھی نام ماسوا لینا

دعوائے توحید کا تو کرتا ہے
نفس کو مت خدا بنا لینا

ہم بچھڑیں تجھ سے یہ نہ ہو یارب
اس سے پہلے ہمیں اٹھا لینا

تم کو روزِ جزا کا کیا ڈر ہے
داورِ حشر کو منا لینا

ورنہ ہے یہ تو بائیں ہاتھ کا کھیل
شاہدوں کو سکھا پڑھا لینا

ہو ادھر بھی کبھی نگاہِ کرم
ہم غریبوں کی بھی دعا لینا

زلف رہنے دو، ہاں نقاب ذرا
رُخِ محبوب سے ہٹا لینا

آج جی بھر کے دیکھ لینے دو
کل کو دِل کھول کر ستا لینا

اس بگڑنے کی کیا سند اے دل؟
شام تک پھر انھیں منا لینا

وصل کی شب نہ چھیڑ قصّۂ ہجر
یہ کسی اور دن سنا لینا

زہر ہی ہو مگر وہ دیں تو کہیں؟
مجھ کو لگتا ہے کیا بُرا لینا

اُن کے در سے زکوٰۃِ حسن اگر
گالیاں بھی ملیں تو کھا لینا

ساقیا دیکھ تشنہ کام نہ جائیں
ذبح سے پہلے کچھ پلا لینا

غیر سے دوستی کرو لیکن
پہلے کچھ روز آزما لینا

طالبِ خلد، مردِ عشق بھی اب
ہو گیا ہے تجھے روا لینا

ایک ہی جام اور یہ سرمستی
ساقیا، دیکھ اپنی چلا لینا

تم کو زیبا تھا وداع کے وقت
آنکھ چہرے سے یوں چرا لینا

مژدۂ فتح، کہ پیغامِ جناں لایا ہے
پھر تو میرے لیے ماہِ رمضاں لایا ہے

میکشو، مژدہ! کہ جس سے پلٹ آتا ہے شباب
وہی سوغات پھر اب پیرِ مغاں لایا ہے

خوش ہیں مرغانِ چمن کنجِ قفس میں بھی مگر
تو کہاں سے ہمیں اے عشق کہاں لایا ہے

مدخلِ صدق کی تعبیر ہے خود مخرجِ صدق
لے بھی جائے گا یہاں سے جو یہاں لایا ہے

حکمراں خلق پہ ہوگا وہی جس کا مذہب
خلق کے واسطے عیشِ دوجہاں لایا ہے

شکوہ صیّاد کا بیجا ہے قفس میں بلبل!
یاں تجھے آپ ترا طرزِ فغاں لایا ہے

عشق تو اپنا خود انجام ہے، پر تو ناصح
اور اک مسئلہ سود و زیاں لایا ہے

سعد اسود سے چھٹے شوقِ شہادت میں عروس
لینے جاتا ہے جہیز اسپ و سناں لایا ہے

ہم اسیرانِ قفس کب ہیں ممنونِ بہار؟
رنگ پھر آج تو کچھ دردِ نہاں لایا ہے

کرم غیر کے خوگر تو نہ تھے ہم اے چرخ
خیر ہے، آج یہ کیا بارِ گراں لایا ہے

خو گرِ جورِ تھے ہم، پر کرم غیر پہ کیا
کیوں فلک آج یہ کیا بارِ گراں لایا ہے

دیگر

مطلع اوّل

کافر ہنسی اڑائیں خدا کے وعید کی
ساعت نہ یوں ٹلیگی عذابِ شدید کی

جب تک کہ دل سے محو نہ ہو کربلا کی یاد
ہم سے نہ ہو سکے گی اطاعت یزید کی

بہ راہِ خلد خود ہی نہ بھائے ہمیں مگر
دعوت تو سب کو دیتی ہے تربت شہید کی

قائل نہ ہم ہوں کیسے مع العسر لیسر کے؟
اے دل، یہ صیام ہے تقریب عید کی!

شکرِ خدا کہ جس نے پس از ظلمتِ فراق
پہلی جھلک دکھائی یہ صبحِ امید کی

کیا دے صلہ صبا کو پیامِ بہار کا
مرغِ قفس کی جان ہے نذر اس نوید کی

سائل کو اذنِ عام ہے اُس بارگاہ میں
کچھ پوچھ واں نہیں ہے قریب و بعید کی

تنہائی کیسی قید میں؟ ہے وہ جو ہم سخن
کر لو تلاوت اُس کے کلامِ مجید کی

لو جس کو مل گیا اُسے ہر چیز مل گئی
پڑھ صبا یہ گر سنا گئی ہارون رشید کی

ہے خواب میں بھی حسنِ پیمبر تجھے حجاب؟
جوہر کو آرزو ہی رہی تیری دید کی

مطلعِ ثانی

گویا ہے لاش بھی تو تمہارے شہید کی
پیہم صدا بلند ہے ہل من مزید ؟ کی

ہر سنگِ در پہ ہم نے جھکانے کے بعد سر
بیکار فرشِ کعبہ کی مٹی پلید کی

ہیں شوق کی اگر یہی امیدواریاں
نوبت کب آئے دیکھیے گفت و شنید کی

رکھ دیکھیں ہم نہ دیغ عظامِ رمیم کو !
قدرت خدا میں کیا نہیں خلقِ جدید کی

الطاف بھی ہیں گرچہ فرنگی محل میں حق
پر بات ہی کچھ اور ہے عیدِ سعید کی

ممکن نہ ہو دوگانہ سویاں نہ ہوں نصیب
زنداں میں ہے دو چند خوشی پھر بھی عید کی

اُن کا کرم بھی اُن کی کرامت ہے، ورنہ یوں
کرتا ہے کوئی پیر بھی خدمت مرید کی

دیگر

مطلعِ اوّل

مجھے تسکینِ دل پایا، مجھے آرامِ جاں پایا
نہاں ہو کے بھی تو کیا، تجھ کو جہاں ڈھونڈا وہاں پایا

ہمیں ہر شے میں آئی نظر یارب ادا تیری
وہ کیسے ہو گئے جن لوگوں نے تجھ کو بے نشاں پایا

کوئی نامہرباں ہو کر ہمارا کیا بگاڑے گا
کرم تو نے کیا ہم پہ تجھے تو مہرباں پایا

ترا وہ مبتلا ناکام سمجھا جس کو دنیا نے
اسی کو سرخرو دیکھا، اسی کو کامراں پایا

عنادل ہیں چمن کی نیت سے فصلِ گُل سے بے پروا
محبت کو تری ہم نے بہارِ بے خزاں پایا

حرم میں تھا ہر اک کو یوں تو تیرے عشق کا دعویٰ
جو کی تحقیق تو اکثر وہی عشقِ بتاں پایا

ہماری جان بھی حاضر ہے اُس کے اک اشارے پر
کہ جس کو اک جہاں نے آپ ہی جانِ جہاں پایا

کسی کو ڈھونڈ مت ضیاء دیکھو خود اپنے گوشۂ دل میں
تو بس سمجھو کہ اب اُس نے سراغِ لامکاں پایا

رہا آوارۂ دیر و حرم پہلو سے بیگانہ
دلِ اُس کا عرشِ کرسی ہی کہاں ڈھونڈا کہاں پایا

خجل خود خجلتِ تر دامنی سے ہو گئے عاصی
تری رحمت کو جب دیکھا تو بحرِ بیکراں پایا

جہاں ایماں ہو واں کیسے گزر ہو یاس و حرماں کا
کسی مومن کو بھی اے دل خدا سے بدگماں پایا

نہیں سرکش کی سرکوبی میں وہ محتاج قوت کا

اُسی کو چُن لیا جس کو ضعیف و ناتواں پایا

نہ ساقی جس نے تلچھٹ تک نہ رکھی فکر فردا میں

اُسے کوثر پہ ہم نے قبلہ گاہِ میکشاں پایا

نہیں معلوم کیا ہو حشر جو ہر کا پڑاتا ہے

کہ لیں نامِ محمد مرتے دم وردِ زباں پایا

سرود و کیف لاتحزن کو بشریٰ سی عیاں پایا

اسیرِ قیدِ تنہائی کو مست و شادماں پایا

طوافِ کعبہ بھی کر آئے شوقِ حور و غلماں میں

جب آخر دار کو دیکھا در باغِ جناں پایا

کرو برباد تنکے شوق سے اس آشیانے کے

کہ ہم نے شاخِ طوبیٰ پر نیا اک آشیاں پایا

دلا! خوش ہو گلستاں سے اگر تو جور بیجا کا

یہ کیا کم ہے کہ تجھکو مستحقِ امتحاں پایا

حیاتِ جاوداں کیا خاک ملتی مر کے زاہد کو

اُسے تو موت سے پہلے ہی مشتِ استخواں پایا

خیالِ خلد نے آوارہ رکھا مدتوں ہمکو

وہ چھوڑا تب کہیں جا کر درِ پیرِ مغاں پایا

نہ کھائی ہوگی یہ گلیں بہ وضع احتیاط اس کو

اگر ساقی کو رندو تم نے کچھ کچھ سرگراں پایا

ہوا تھا قید فصل گل میں جو مرغ اسکو گلشن میں

قفس سے چھوٹتے ہی صید تیغ جور خزاں پایا

بگڑ جائیگی تیری ہم سے سُن لے صاف کہتے ہیں

گر اب کے ہم نے لے دل، تجھ کو سرگرمِ فغاں پایا

میاں کھانا کبھی وہ کھانا، کبھی سحر ملا ماہ رمضاں میں

نصیب سر وا مجھ کو کہاں ایسا کارواں پایا

ہماری سب کی آبادی ہے تیرے دم سے آبا جی
بڑھاپے میں بھی ہم نے تیری ہمت کو جواں پایا

جو ہر حالت میں صبر و شکر ہوں اسلام کے معنی
تو تجھ کو عالموں سے بڑھ کے اُن کا رازداں پایا

زمانے کے جو گرم و سرد سے ہو جائے بے پروا
تو اس کی یاں بھی جنت ہے کہ عشق اُس کا وہاں پایا

بصد حرماں اُٹھے بالیں سے جب ابا قبالات کے
جسے وہ نیم جاں سمجھے تھے اُس کو سخت جاں پایا

کبھی جوہر کے پہلو میں بھی اک آتش فشاں دل تھا
پر اب کی بار جو دیکھا تو یوں ہی سا دھواں پایا

دیگر

مطلعِ اوّل

ڈر نہیں مجھ کو گناہوں کی گراں باری کا
تیری رحمت ہی سبب میری سبکباری کا

دار نے اک سگِ دنیا کو یہ بخشا ہی عروج
ہے فرشتوں میں بھی چرچا مری دینداری کا

دل و جاں سونپ چکے ہم تجھے اے جانِ جہاں
اب ہمیں خوف ہی کیا اپنی گرفتاری کا

جان بھی چیز ہے کوئی کہ رکھیں تم سے دریغ
پاس اتنا بھی نہ ہو رسمِ وفاداری کا

چیز ہی ایسی وہ کیا ہے کہ رکھیں جان دریغ
کیا اب اتنا بھی نہ ہو پاسِ وفاداری کا

ساقیا سب کو تری ایک نظر تھی کافی
تھا کسے ہوش ترے عہد میں ہشیاری کا

میں فدا، آج بھی ہو جائے وہی ایک نگاہ
خاتمہ ہو کہیں اس دور کی خود داری کا

تجھ کو کیا فکر ہے؟ کافی ہے تجھے صبر و صلوٰۃ
حل ہے ہر حال میں اے دل یہی دشواری کا

عشق ہی باعث تکوین جہاں ہے غافل!
تو نے جانا کہ یہ اک شغل ہے بیکاری کا!

عاشقوں کے لیئے ہے داروئے شفا
عشق کی طب میں دوا نام ہے بیماری کا

اجل استادہ ہے بالیں پہ مریض غم عشق!
آنکھ تو کھول ذرا وقت ہے بیداری کا

جو ہر اور حاجب و درباں کی خوشامد کیا خوب
عرش و کرسی پہ گذر ہے ترے درباری کا

مطلعِ ثانی

بل چکا تجھ سے صلہ ہم کو وفاداری کا
تجھ کو آیا نہ سلیقہ کبھی دل داری کا

طفلِ مکتب ہے ترے سامنے خود چرخ کہن
کس سے سیکھا ہے یہ انداز دل آزاری کا

عقل والا کوئی بچتا نہیں پھندے سے ترے
گو بہت عام ہے شہرہ تری عیاری کا

ہم کو خود شوقِ شہادت ہے گواہی کیسی؟
فیصلہ کر بھی چکو مجرم اقراری کا

میری شہرت بھی اگر ہو گی تو کیا قتل بھی کر
نام ہو جائے گا تیری بھی ستمگاری کا

کیا قیامت ہے مرے قتل سے شہرت ہی سہی
نام ہو گا نہ بھلا تیرے ستمگاری کا

قاتل اب تو پیر ہے کیا جام شہادت سے جھجک
ہو گیا وقت کبھی کا مری افطاری کا

تو ہو آمادہ جو اے دل تو یہی ہموار بھی ہے
آزما دیکھ کہ یہ سب کھیل ہے تیاری کا

سب ہیں فانی، غم دنیا نہ رہا ہم نہ رہے
رہ گیا نام غم عشق کی غمخواری کا

تو تو ہم سب کو یہیں چھوڑ چلا اے جوہر
تو سنتے تھے بہت تیری وفاداری کا

مطلع ثالث

ہو گیا حال یہ کیا ہائے او وفاداری کا
کوئی پرساں نہیں اس درد میں بیچاری کا

یاد آتا نہیں بھولے سے تمہیں عہد الست
ہم پہ الزام وہی دھرتے ہیں غداری کا

ہوئی تقصیر کہ بھولے نہیں ہم عہدِ الست
ہے بجا ہم پہ گر الزام ہو غداری کا

جرم سنگین ہے، خدا ہی ہے جو ہو جائے نجات!
ہم پہ الزام ہے مذہب کی طرفداری کا

حاکمِ وقت سے دنیا کا ہر ادنیٰ سا غلام
زعم ہے مور و مگس کو بھی عملداری کا

سر فروشی کے لیئے ہم تو ہیں آمادہ مگر
حوصلہ بھی تو کسی میں ہو خریداری کا

سب کی ہو کر نہ ہوئی ایک کی تو اے دنیا!
کون گرویدہ ہو تجھ سی زنِ بازاری کا

جوہر افسوس! کہ زنداں میں بھی چکی نہ ملی
قید ہو کر بھی ہوں محتاج پسہاری کا

دیگر

بس ساتھ تھا اس ماہ تو رمضاں کا یہاں تک
اب دیکھیے جینے بھی ہیں اگلے رمضاں تک

کوثر یہ کھلا کیوں نہ اجی آج کا روزہ
پہنچا نہ دیا ہم کو در پیر مغاں تک

یکبارگی ہر قید سے ہو جائے رہائی
جا پہنچیں جو زنداں سے کہیں باغ جناں تک

گھبرا کے لگا کہنے دلا، لو تو ابھی سے
"ہے صبر کی حد بھی کوئی؟ ہو صبر کہاں تک"

یاں جنبشِ مژگاں بھی ہے اک جرم، مگر ہے
مطلوب تجھے فرصتِ فریاد و فغاں تک

اقرار ہے یہی مکتبِ تسلیم و رضا کی
وہ سر بھی اڑا دیں تو ہلا تا نہ زباں تک

تو شوق سے کر قلم نہ ڈر مخطوطات سے
سستی ہے ترے واسطے یہ جنس گراں تک

اس بارگہ حسن کو کیا اس سے سروکار؟
سرحد ہوس جاتی ہے بس عشق بتاں تک

جو ہر سا سیہ کار اور انجام شہادت!
اس سے تو کسی کو بھی نہ تھا اس کا گماں تک

دیگر

جان تو دے سکتے ہیں لیکن نہ ہوں دربار وں کی
ہو نہ اب اتنی بھی اوقات وفا داروں کی

زخم دل کا انہیں بھولے سے بھی آیا نہ خیال
کون لیتا ہے دعا ایسے نمک خواروں کی

کہہ دو رضواں سے نہیں سایۂ طوبیٰ درکار!
اپنی جنت ہے یہیں چھاؤں میں تلواروں کی

پوچھ میرا نہ اٹھائے کوئی محشر میں تو کیا؟
دستگیر آپ جو رحمت ہے گنہگاروں کی

ہے محمد کی شفاعت تو خدا کی رحمت
حشر کیا عید ہے امت کے گنہگاروں کی!

روز کچھ مرتے ہیں پھر بھی نہیں درماں کا خیال
حالت اچھی ہے ابھی آپ کے بیماروں کی

سرفروشانِ جفاکش کے سروں کی قیمت
اور بھی بڑھ گئی قلت سے خریداروں کی

کر چکے پاؤں تو ہموارئ خارِ صحرا
سر بھی دعوت کرے اب شہر کی دیواروں کی

کہہ دو ان گوشہ نشینوں سے بھریں گوشۂ قبر
نہیں دنیا میں جگہ آپ سے بیکاروں کی

ایک ہی دو بھی اگر کچھ تو پہنچتیں دل تک
نوکیں رہ جاتی ہیں پاؤں میں کیوں خاروں کی

تو وہ خاک بھی اک قبر کو میری ہے بہت
اس عمارت کو ضرورت نہیں معماروں کی

ساقیا ابر بھی ہے مے بھی ہے اور تو بھی ہے مگر
آج بر آئیں مرادیں ترے مے خواروں کی

جب نہیں وعدے کو ایفا سے ذرا بھی سروکار
پھر کمی کیا ہے تمہارے لیے اقراروں کی

ناتمام غزلیں اور اشعار متفرق

خود ہمیں میں ہو غمِ عشق کی جو سہہ نہ سکی؟
ورنہ دنیا میں کمی کچھ نہیں غمخواروں کی

---

[1] میرے لہو سے خاکِ وطن لالہ زار دیکھ
اسلام کے چمن کی خزاں میں بہار دیکھ

کیا عشقِ ناتمام کی بتلاؤں سرگزشت
دار و رسن کا اور ابھی انتظار دیکھ

---

[1] یہ دو اشعار سب سے آخر میں جیل چھوڑتے وقت لکھے تھے تاکہ جو احباب جیل کے مصائب کے متعلق سوال کریں ان کو یہ جواب دیا جا سکے

نہ بھائے گا تمہیں قصہ عزیزو! عیشِ رفتہ کا
پہ کیا کیجے ہمیں تو اک یہی افسانہ آتا ہے

ابھی اے دستِ وحشت مت الجھ چاکِ گریباں سے
یہ تھوڑی بستیاں ہیں پھر وہی ویرانہ آتا ہے

یقیناً فصلِ گل میں پھر نکل بھاگا ہے زنداں سے
وہی شورِ سلاسل ہے وہی دیوانہ آتا ہے

ہم اس کی راہ میں مرنے کی ٹھانے بیٹھے ہیں راہ
ذرا سا کام تھا وہ بھی اجل سے ہو نہ سکا

کرائی محبت اپنی یا الفت مخلوق
تری جفا سے ہماری وفا سے ہو نہ سکا

یہ فقط دو چار دن کی بات ہے
پھر وہی تو ہے، وہی صحبت دلا

قید ہے قید غلامی، دو برس کی قید کیا؟
دیکھو، کب ہوتا ہے ختم اس قید بے میعاد کا؟

پیام مرگ ہی پیغام یار و مژدۂ وصل
وہ کام اجل نے کیا جو صبا سے ہو نہ سکا

مجھ سے یہ دیکھی نہیں جاتی تباہی، کیا کروں؟
کچھ سمجھ میں ہی نہیں آتا، الٰہی کیا کروں؟
اس کی رحمت کو تو خود درکار ہے عذر گناہ
لیکے پھر زاہد کا عذر بے گناہی کیا کروں

پیامِ مجلس و دعائے اسیری

اپنی عزیز بیٹی آمنہ کی علالت پر جسکی اطلاع جیل خانہ میں ملی تھی

میں ہوں مجبور پر اللہ تو مجبور نہیں
تجھ سے میں دور سہی، وہ تو مگر دور نہیں

اس کی رحمت سے جو مایوس ہو وہ کافر ہے
ہم توکل سے کسی وقت بھی معذور نہیں

امتحاں سخت سہی، پر دلِ مومن ہی وہ کیا
جو کہ ہر حال میں اُمید سے معمور نہیں؟

صبر بھی شیوۂ مسلم ہے مگر شکرِ خدا
نورِ اسلام سے دل آج بھی بے نور نہیں

ہے دعا اور دوا فرض، و لے حکم خدا
ٹل سکے یہ کسی بندہ کا بھی مقدور نہیں
ہم کو تقدیر الٰہی سے نہ شکوہ، نہ گلہ
اہلِ تسلیم و رضا کا تو یہ دستور نہیں
تیری صحت ہمیں مطلوب ہے لیکن اس کو
نہیں منظور، تو پھر ہم کو بھی منظور نہیں
اب دعا لب پہ بھی جاری ہو، اگرچہ اس سے
یوں بھی حالِ دلِ مضطر کبھی مستور نہیں

تو تو مُردوں کو جلا سکتا ہے، قرآن میں کیا
تخرج الحی من المیت مذکور نہیں
تیری قدرت سے خدایا، تری رحمت سے نہیں کم
آمنہ بھی جو شفا پائے تو کچھ دور نہیں

باپ کے دل کو تو یوسف کی طرح ہو وہ عزیز
نہ سہی حسن میں گر خلق میں مشہور نہیں

یاں بھی ہے یوسف و یعقوب میں سلطان حائل
میں ہوں مجبور مگر آپ وہ مجبور نہیں

مرہم زخم جگر آج بھی ہے صبر جمیل
حزن فرقت سے مگر آنکھیں ابھی بے نور نہیں

میری اولاد کو بھی مجھ سے ملا دے یا رب
تو ہی کہہ دے تری رحمت کا یہ دستور نہیں

شان رحمت مجھے دکھلا کہ ہو تسکیں کا نزول
دل جو ہے سینے میں بیتاب جبل طور نہیں

نوحہ

نوحہ غم سے گھٹاتے نہیں ہم شانِ حسینؓ
حق ہے شاہد کہ شہادت ہی تھی شایانِ حسینؓ

آج ہے امتِ احمدؐ کے لیے فخر کا دن
آج کے روز ہوئی فتح نمایانِ حسینؓ

حشر تک چھوڑ گئے ایک درخشندہ مثال
حق پرستوں کو نہ بھولے گا احسانِ حسینؓ

جو افق پر نظر آتا ہے محرم کا ہلال
ہے چھپائے لئے وہ مہرِ درخشانِ حسینؓ

کربلا آج بھی شہادت کی گواہی ہے کہ
دین ہے اُمّی و عالم کا ایمانِ حسینؓ

شاہد حق ہے کہ ابھی حق کی حمایت کے لیے
جان دینے کو ہیں موجود فدایانِ حسینؓ

ان سے پوچھو کہ جنھیں جان ہو ایماں سے عزیز
کم تھی کس جان سے بتلاؤ تمہیں جان حسینؓ

اس کو سینچا ہے شہیدوں نے لہو سے اپنے
سبز و شاداب نہ پھر کیوں ہو گلستانِ حسینؓ

یاں نہ گلچیں کی رسائی نہ خزاں کا ہے گزر
غم سے واقف ہی نہیں بلبلِ بستانِ حسینؓ

تب سے جاری ہے یہاں صبر و رضا کا لنگر
دلِ حاسد کی طرح تنگ نہیں خوانِ حسینؓ

دولت ایثار کی بٹتی ہے یہاں صدیوں سے
ختم ہوتا ہی نہیں گنجِ فراوانِ حسینؓ

حق و باطل کی ہے پیکار ہمیشہ جاری
جو نہ باطل سے دبیں ہیں وہی شیدانِ حسینؓ

نہیں میدانِ عمل تنگ مسلماں کے لئے
ہے یہی کوئے حسینؓ اور یہی میدانِ حسینؓ

جیتے جی تو کچھ نہ دکھلایا مگر
مر کے جوہر آپ کے جوہر کھلے

تعداد اشاعت ایک ہزار

قیمت عہ ۸/

محراب ادب کراچی

انتساب

بمطابقت خواہشِ عامہ و بموافقتِ آرزوئے دلی یہ ناچیز ادبی کاوش عالیجناب معلّی القاب الحاج خواجہ ناظم الدّین گورنر جنرل آف پاکستان کے نام بصد احترام معنون کرتا ہوں ؎

گر قبول افتد زہے عز و شرف

احقر
دوست قدوائی
بی۔ اے (علیگ)

فہرس

صفحہ	عنوان

ان کے تقلید کے دعوے کی کسے جرأت ہے

کہہ سکے کون کہ ہیں ہم بھی مریدانِ حسینؓ

تاہم ہیں اُن کے اب و جدؐ سے ہی نسبت تو ضرور

اور دل سے بھی ہیں ہر وقت ثنا خوانِ حسینؓ

گر شہادت کہیں جو ہم سے نہ ہو پائی تو پھر

لیں ہی کوثر پہ بھی فی السنہ دامانِ حسینؓ

شباب سے پہلے

فہم سخن نا کند مستمع — قوت طبع از متکلم مجوے

محراب ادب کی تازہ ترین نشریات میں کتاب بچپن جناب ضیا
کے اشتیاق سے ایک اچھوتے موضوع کے ساتھ جلوہ گر ہوئی ہے۔ اس کتاب نے
دنیائے ادب میں ایک تازہ روح پھونک دی ہے۔ یہ کتاب بجائے خود ہمارے
دعوے کی کھلی دلیل اور اپنی نظیر آپ ہے۔ جس کی مقبولیت [illegible] پہلی [illegible]
ہے کہ پاکستان و ہندوستان کے تقریباً ۶۴ مشاہیر اہل قلم حضرات کی [illegible] نگارش
سے مزین ہوئی ہے۔ اور طرفہ یہ کہ تمام حضرات نے ایک ہی موضوع پر قلم طرازی فرمائی
ہے اور وہ موضوع ہے شباب سے پہلے۔ مضامین نگار حضرات کے چند اسمائے
گرامی ملاحظہ فرمائیے کہ اس کی بے پناہ اہمیت کا اندازہ لگا سکیں۔

مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا ظفر علی خاں، سر عبدالقادر، خواجہ دل محمد، [illegible]
مولانا عبدالمجید سالک، ڈاکٹر [illegible]، مولانا اختر علی خاں، [illegible]، میاں بشیر احمد
حضرت [illegible]، ڈاکٹر [illegible]، [illegible] الملک، حکیم [illegible]، سید [illegible]
حاجی لق لق، [illegible] عباس [illegible]، احسان دانش، [illegible]، ڈاکٹر [illegible]
عبدالقوی [illegible] تاج، [illegible] وغیرہ۔

[illegible]

محراب ادب [illegible] کراچی

آگ اور خون

علامہ اقبالؒ کے دل کے گوشوں سے جبیں مسلم کے لیئے دعا نکلی تھی کہ "خدا تجھے کسی طوفاں سے آشنا کر دے" اور غلام قوموں کے متعلق قرآن کریم کا حوالہ دیا کہ "تیرے بحر کی موجوں میں اضطراب نہیں" "وقت کے تقاضوں نے ملت اسلامیہ کو ان وقائع سے روشناس کر دیا۔ اور ایسی ہنگامہ آرائیوں کے ساتھ روشناس کیا کہ تاریخ کا نقطہ نقطہ ایک خونیں داستان لیئے ہوئے ہے۔ ہر نقطہ کا پس منظر خون کا طوفانی سیلاب ہے جس میں تڑپتی ہوئی نعشیں بہہ رہی ہیں۔ اور دہکتی ہوئی آگ کے شعلے ہیں۔ جن میں بیکس اور ستم زدہ جھلس رہے ہیں۔ ملت کی اس طوفانی روشناسی کو ہمارے نوجوان ادیب جناب عارف بٹالوی نے سوزان خونچکاں قلم سے "آگ اور خون" کا نام دے کر مرتب کیا ہے۔ اسے ایک دلچسپ ناول کہیئے یا عبرتناک داستان

عمدہ کاغذ بہترین گرد پوش

قیمت [illegible]

مہراب ادب فریر روڈ کراچی

محو خواب

یہ کتاب ایک انگریزی مقبول عام نفسیاتی ناول کا اردو ترجمہ ہے
اظہار الاسلام صاحب قدوسی نے زبان دانی اور زور قلم کے وہ
جوہر دکھلائے ہیں کہ اصل ناول کے مردہ جسم میں جان ڈال دی ہے
زبان و قلم کی وہ جولانیاں دکھائی ہیں کہ ترجمہ کو تصنیف کر دکھایا
ہے۔ انسانی زندگی کے نہایت سخت و کرخت نشیب و فراز ایسے
دلچسپ پیرایہ میں بیان کئے ہیں اور واقعات کے وہ مناظر پیش کیے
ہیں کہ مطالعہ عینی مشاہدہ میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ اس کا مطالعہ
آپ کو محراب ادب کے معیار اشاعت سے بھی مطمئن کر دے گا۔
اور اس ادارہ کے قلمی معاونین کے معیار سے بھی۔ ہمیں یقین ہے
کہ اس کو پڑھنے کے بعد ایک مدت تک آپ اس کے کیف و لطف
کو محسوس کر سکیں گے۔

قیمت للعہ

محراب ادب فریر روڈ کراچی

کلیات اکبر الہ آبادی

حضرت اکبر مرحوم مغربی تہذیب کے خلاف ایک مجاہد اعظم کی حیثیت رکھتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ مغربی طاقت نے ان کی آواز کو ایسا سپرد کیا کہ اپنے مرکز میں ہی دب کر رہ گئی تھی۔ اور ایک طویل غوطہ کے بعد آج پھر ابھری اور سارے آفاق میں گونج گئی۔ آج ہر مہذب اور تعلیم یافتہ خاندان کلام اکبر سے استفادہ اصلاح کا قائل ہے۔ کیونکہ آج بھی زندگی کے ہر نشیب و فراز میں اکبر اپنی قوم کو ظریفانہ انداز میں مخاطب کرتے اور شیریں کلامی کے ساتھ تلخ نصیحتوں کا تبرک تقسیم کرتے نظر آتے ہیں۔ آج وقت کا تقاضا یہی ہے کہ کوئی گھر اور کوئی لائبریری کلیات اکبر سے خالی نہ ہو۔

محراب ادب فریئر روڈ کراچی

باقیات فانی

فانی بدایونی کا نام دنیائے شعر و ادب میں منجملۂ باقیات ہے۔ وہ دور متاخرین کا یہ وہ شاعر عظیم المرتبت ہے جس کا ہر شعر کیفیات حسنی کا ایک مرقع ہے جس کے نہ ہونے سے ایک غیر محسوس کمی رہتی اور جس کا نہ رہنا تو ایک ناقابل تلافی کمی ہوگی۔ فانی نے یہ ثابت کردیا کہ بقائے دوام کیلئے فنائے عدم لازم ہے۔ اور اس کے بعد پھر بقا ہی بقا ہے۔